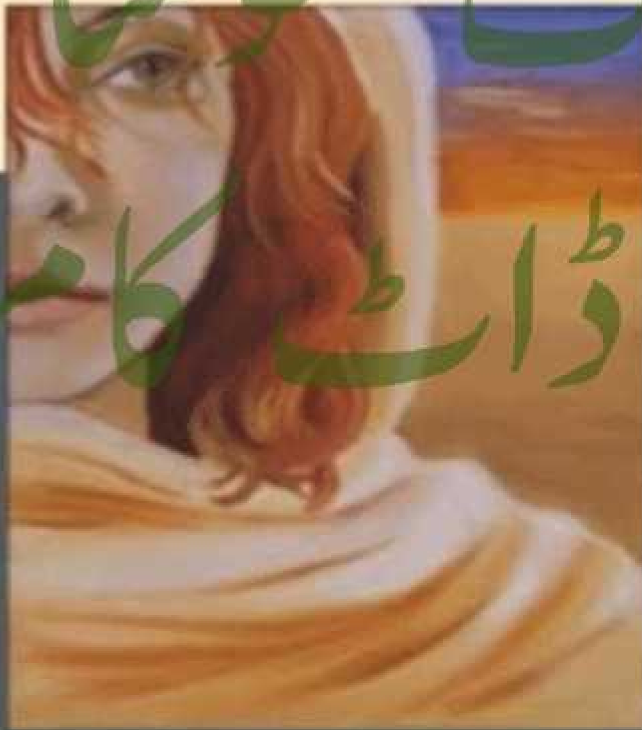
مہرباں

نبیلہ عزیز



مہربان

مراد حسن ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر تیار ہو رہا تھا، جب زیب النساء دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور اس کو یوں نک سک سے تیار دیکھ کر ٹھٹک گئی، اس کے ذہن میں خطرے (شک) کا الارم بجا تھا۔

''آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' فوراً زبان پہ سوال مچلا۔

''ہوں۔'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے ٹائی کی ناٹ درست کرنے لگا۔

''آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' اعتراض شروع ہوا۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ابرار کی کال آئی تھی کہ ہم سب دوست اکٹھے ہو رہے ہیں، تم بھی آ جاؤ، میں بھی فارغ تھا، اس لیے بیٹھے بیٹھے پروگرام بن گیا۔'' اس نے نہ بتانے کی وجہ بتائی۔

''میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔'' زیب النساء نے نیا شوشا چھوڑا، مراد ٹھٹک گیا تھا۔

''میرے ساتھ؟''

''ہاں آپ کے ساتھ، کیا میں نہیں جا سکتی؟'' اس نے شکی نظروں سے دیکھا، مراد حسن کی پیشانی پہ بل پڑ گئے تھے۔

''تم نے سنا نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے؟ ہم سب دوست اکٹھے ہو رہے ہیں، یعنی صرف دوست۔'' مراد حسن نے زور دے کر کہا تھا۔

''پہلے بھی تو آپ مجھے اپنے دوستوں میں لے کر جاتے ہیں نا؟ آج کوئی نئے دوست تو نہیں ہیں۔''

زیب النساء جس بات پہ اڑ چکی تھی سو اڑ چکی تھی، اب اس بات سے ہٹنا کب آسان تھا۔

''پہلے میں تمہیں اپنے دوستوں میں نہیں فنکشن اور پارٹیز میں لے کر جاتا ہوں، جہاں صرف میری بیوی میرے ساتھ نہیں ہوتی، بلکہ سب کی بیویاں ان کے ساتھ ہوتی ہیں۔'' اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''کیوں مناسب نہیں لگتا؟ کیا میں اتنی ہی بری ہوں کہ آپ اپنے دوستوں کے سامنے نہیں لے جانا چاہتے؟'' زیب النساء کی بے تکی ضد اور بحث پہ مراد حسن جھنجلا گیا۔

''اف زیب النساء! اب اس میں بری کی بات کہاں سے آ گئی ہے؟ تمہیں پھر کبھی کسی پارٹی میں لے کر جاؤں گا۔''

مراد حسن نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھنے کی کوشش کی تھی۔

''میں آپ کے دوستوں میں جاؤں گی تو بے عزت ہو جاؤں گی کیا؟'' ہر بات کا الٹا مطلب لینا اس نے نہ جانے کہاں سے سیکھا تھا۔

''تم نہیں، میں بے عزت ہو جاؤں گا، میرے دوست کیا سوچیں گے کہ میں اپنی بیوی کو ہر جگہ ساتھ لیے پھرتا ہوں۔''

''تو بیوی کو ساتھ لے کر پھرنے میں کیا حرج ہے؟'' زیب النساء کی بحث جاری تھی۔ مراد وال کلاک کی سمت دیکھ کر رہ گیا، وہاں نو بج رہے تھے اور اس کے دوستوں نے ساڑھے نو بجے ریسٹورنٹ پہنچنے کا کہا تھا۔

''دیکھو زیب النساء یہ لاحاصل بحث ہے، میں بہرحال تمہیں ساتھ لے کر نہیں جا سکتا، ہم لوگ کل شام ڈنر کرنے چلیں گے، تم کل تیار رہنا۔'' وہ اپنا والٹ اٹھا کر جیب میں رکھتے ہوئے بولا اور قدم دروازے کی سمت بڑھا دیے۔

''آج کس چڑیل کو ٹائم دے رکھا ہے؟'' زیب النساء کے اندر کا شک گالی کی صورت میں باہر آیا تھا۔ مراد حسن کے قدم تھم گئے۔

''کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''تم نے ضرور کسی لڑکی کو ٹائم دے رکھا ہے، اسی لیے مجھے ساتھ لے کر نہیں جا رہے، تم عیاشی کرنے جا رہے ہو، میں اچھی طرح جانتی ہوں تمہاری رنگ رلیوں کو۔'' زیب النساء یکدم چلا اٹھی تھی۔

''بکواس بند کرو اپنی، زبان کھینچ لوں گا تمہاری، تم حد سے بڑھ رہی ہو۔'' مراد کا نرم لہجہ یکدم سخت ہو گیا تھا، وہ ہزار بار اسے اس بے بنیاد شک پہ تنبیہ کر چکا تھا لیکن زیب النساء اپنی بدزبانی پہ آتی تو مراد حسن کو آپ کی بجائے تم کہتی۔

''میرے پاس تمہاری ان فضول باتوں کے لیے کوئی ٹائم نہیں ہے۔'' وہ کوفت زدہ لہجے میں کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا لیکن زیب النساء اس کے پیچھے لپکتی ہوئی باہر آئی تھی۔

''میری باتیں فضول ہیں تمہارے لیے؟''

''ہاں فضول ہیں۔'' مراد حسن نے تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے جواب دیا۔

''میں بھی فضول ہوں نا تمہارے لیے؟'' زیب النساء نے اس کا کوٹ پکڑ کر پوچھ لیا تھا۔

''میں نے کہا نا میرے پاس تمہاری ان فضول باتوں کے لیے کوئی ٹائم نہیں ہے، چھوڑو میں لیٹ ہو رہا ہوں۔'' وہ جھٹکے سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا اور زیب النساء وہیں سیڑھیوں پہ کھڑی رہ گئی۔

''بیگم صاحب! وہ ال بی بی کا گرم دودھ سے ہاتھ جل گیا ہے وہ رو رہی ہیں۔'' ملازمہ نے دستک دے کر اطلاع دی تھی اور زیب النساء کو مزید تاؤ آ گیا تھا۔

''جلنے دو کم بخت کا، یہ مصیبت میرے لیے رہ گئی ہے، اس کے باپ کو بتاؤ جا کر، جو تفریح کرنے گیا ہے۔'' وہ چلانے لگی تھی اور ملازمہ اس کے غصے سے خائف ہو کر فوراً الٹے قدموں بھاگ گئی۔ زیب النساء کو مراد حسن پہ غصہ ہوتا تو وہ غصہ ال پہ ہی نکلتا تھا، جس پہ مراد حسن کو بہت تکلیف ہوتی تھی، زیب النساء اس کی ناگواری اور تکلیف محسوس کر کے ایسا کام جان بوجھ کر کرتی تھی اور وہ اسے روکتا، منع کرتا رہ جاتا تھا۔

☆☆☆

وہ سب یار دوست کھانا کھانے کے بعد خوش گپیوں میں مصروف تھے، جب ابرار سکندر کے موبائل پہ رنگ ہوئی تھی۔ اس نے موبائل نکال کے دیکھا تو تھوڑا تعجب ہوا تھا، پھر کال اٹینڈ کرنے کی غرض سے دوستوں کے درمیان سے اٹھ کر تھوڑا دور چلا آیا۔

''السلام علیکم۔'' اس نے کال اٹینڈ کرتے ہی سلام کیا۔

''ابرار بات کر رہے ہو نا؟'' دوسری طرف سے سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہ کیا گیا تھا۔

''جی بھابھی! میں ابرار ہی بات کر رہا ہوں۔''

''مراد کہاں ہے؟'' اس کے لہجے میں شک بول رہا تھا۔

''کیوں خیریت تو ہے نا؟'' ابرار کو پریشانی ہوئی۔

''جو میں نے پوچھا ہے تم وہ بتاؤ۔'' وہ تختی سے بولی۔

''جی مراد میرے ساتھ ہے، آپ بتائیں تو سہی کیا بات ہے؟'' ابرار نے مجبوراً پھر استفسار کیا تھا۔

''اس کے ساتھ کون سی لڑکی ہے؟'' زیب النساء نے کافی رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

''لڑکی؟'' ابرار کو حیرت ہوئی، اس نے گردن موڑ کر کچھ دور بیٹھے مراد کو دیکھا جو دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق میں مصروف تھا۔ آج وہ سب دوست شاید تین سال بعد اس طرح اکٹھے مل کر بیٹھے تھے۔

''ابرار تم چپ کیوں ہو گئے؟ جو میں نے پوچھا ہے وہ تمہیں سمجھ میں نہیں آیا؟'' زیب النساء نے طنزیہ کہا۔

''سمجھ میں تو آ گیا ہے بھابھی! اسی لیے تو میں مراد کو غور سے دیکھ رہا ہوں کہ آخر اس کے ساتھ ایسی کون سی لڑکی ہے جو ہمیں بھی نظر نہیں آ رہی؟'' ابرار کا جواب بھی طنز لیے ہوئے تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''بھابھی! میرا مطلب صاف ہے اس کے ساتھ کوئی لڑکی ہوگی تو نظر آئے گی نا؟ وہ اکیلا ہے، آپ پلیز شک کی عینک اتار کر دیکھیں، اس کے پرانے یار دوست بھی، مجھ سمیت......'' ابرار نے اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کی۔

''ہونہہ! میں کون سا ساتھ ہوں اس کے؟ اور وہ تمہارا کزن، تمہارا دوست اور تمہارا سالا ہے آخر تم اس کے عیبوں پہ پردہ نہیں ڈالو گے تو اور کون ڈالے گا؟'' زیب النساء کے شک کا رخ ابرار کی طرف ہو گیا تھا۔

''اگر آپ کو میرے کہے پہ اتنی ہی بے اعتباری تھی تو پھر یہ پوچھ گچھ کرنے کے لیے کال کیوں کی؟'' ابرار کو زیب النساء کی بات پہ غصہ آ گیا تھا مگر مراد کی بیوی ہونے کے ناتے وہ اس کا کافی ادب و احترام کرتا تھا ورنہ کوئی اور ہوتا تو وہ چار سنا بھی دیتا۔

ابرار غصے سے بند موبائل کو دیکھتا رہ گیا تھا وہ جانتا تھا کہ مراد کی بیوی بدلحاظ اور بد مزاج ہے لیکن اس حد تک بدزبان بھی ہے یہ اسے آج پتہ چلا تھا۔ واقعی یہ مراد کی ہمت تھی کہ وہ اتنے سالوں سے اس کے ساتھ نباہ کرتا چلا آ رہا تھا ورنہ ایسی عورت کے ساتھ تو بندہ ایک دن میں پاگل ہو کے رہ جائے۔

وہ دل ہی دل میں سوچتا واپس دوستوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''کس کا فون تھا؟ خیریت تو ہے پریشان لگ رہے ہو؟'' مراد نے ذرا دیر کے لیے دوستوں کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ ترک کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ابرار چونک گیا تھا۔

''نہیں، کسی کا نہیں تھا۔'' اس نے فوراً سر جھٹکتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔

مراد حسن اور ابرار سکندر دونوں چچازاد بھائی تھے اور دونوں کی بچپن سے بے حد گہری دوستی تھی اور اس گہری دوستی میں عزت واحترام اس وقت آیا جب ابرار کی شادی مراد حسن کی بہن شاہینہ کے ساتھ ہوئی، دونوں ہی اس رشتے کے حوالے سے ایک دوسرے کی بہت عزت اور قدر کرتے تھے لیکن اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی اس رشتے کو لے کر ان دونوں کی دوستی پر ذرا سی بھی آنچ نہیں آئی تھی اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ ابرار کو شاہینہ سے بہت محبت تھی اور وہ دونوں میاں بیوی اپنی شادی شدہ زندگی بہت سکون سے گزار رہے تھے اور مراد حسن اس چیز سے بہت خوش اور مطمئن تھا کہ اس کی بہن کا ہم سفر ابرار سکندر جیسا سلجھا ہوا سمجھدار اور مخلص آدمی ہے۔ جس نے کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ باقی دوست ان دونوں کا مذاق اڑاتے تھے کہ سالا اور بہنوئی بن کے بھی وہ دونوں کتنے اتفاق اور محبت سے رہتے تھے خوش باش اور بے فکر......!

''کیا خیال ہے مراد ہمیں اب چلنا چاہیے؟'' بالآخر ابرار نے اٹھنے کا فیصلہ کیا۔

''اتنی جلدی یار؟ اتنے دنوں بعد تو مل بیٹھنے کا موقع ملا ہے؟'' ان کے دوست اظہر نے خفگی سے کہا۔

''اتنے دنوں بعد مل بیٹھنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم بیوی بچوں کو بھول جائیں؟'' ابرار نے انہیں احساس دلایا۔

''روزانہ بیوی بچوں کے پاس ہی تو ہوتے ہیں، ایک دن بھول جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' حسام بیزاری سے گویا ہوا۔

''اگر یہی بات ہماری بیویاں سوچنے لگیں تو ہمیں کیسا لگے گا؟'' ابرار کے سوال نے ان کو لاجواب کر دیا تھا مراد نے بھی ابرار کو حیرت سے دیکھا تھا۔

''لگتا ہے کافی سعادت مند شوہر ہو؟'' حسام نے مذاق اڑایا۔

''کہہ سکتے ہو یار! لیکن اس وقت میں شوہر نہیں ایک باپ بن کے سوچ رہا ہوں، دراصل چھوٹے زاویار کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، اسے میڈیسن دے کر سلا آیا تھا۔ شہریار تو خیر بڑا ہے لیکن چھوٹے دونوں اپنی ماں کو بہت تنگ کرتے ہیں۔'' ابرار نے جواز دیا تھا۔

''اوہ یعنی سعادت مند شوہر ہی نہیں کیئرنگ باپ بھی ہو؟'' حسام نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا مگر ابرار زچ ہونے والا نہیں تھا۔

''بچے میرے ہیں، اس لیے کیئر بھی تو مجھے ہی کرنی ہوگی نا؟''

''او کے، او کے جاؤ یار! اپنے فرائض نبھاؤ جا کر۔'' انہوں نے طنز اور خفگی سے کہا۔

''اور تم؟'' ابرار نے مراد کی طرف دیکھا وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

''میں بھی چلتا ہوں۔''

''کیوں کیا اب تمہیں بھی بیٹی یاد آ گئی ہے؟'' ان کا رخ مراد کی طرف ہو گیا۔ وہ دونوں ہنستے ہوئے خدا حافظ کہہ کر ریسٹورنٹ کے احاطے سے باہر نکل آئے تھے ان دونوں کا رخ پارکنگ کی طرف تھا۔

''کیا بات ہے ابرار تم چپ کیوں ہو؟'' مراد کافی دیر سے اس کی چپ نوٹ کر رہا تھا۔

''کیا تمہارے اور بھابھی کے درمیان کوئی بات، کوئی جھگڑا ہوا ہے؟'' ابرار نے اپنی گاڑی کے قریب ٹھہرتے ہوئے ذرا رسانیت سے پوچھا۔ لیکن اس کے سوال پر مراد بری طرح چونک اٹھا۔

''کیوں خیریت؟ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' مراد کو اس کے سوال پر حیرت ہوئی تھی۔ وہ چپ رہا تو، مراد بجھ گیا۔

''یار! میں تنگ آ گیا ہوں، آخر کیا کروں اس عورت کا؟ کہیں بھی سکون سے رہنے نہیں دیتی، نہ گھر میں نہ گھر سے باہر۔'' مراد ضبط کرتے کرتے بھی یکدم پھٹ پڑا تھا۔

''پلیز یار! آرام سے اور پیار سے سمجھانے کی کوشش کرو شاید اثر ہو ہی جائے؟'' ابرار نے ہمت بندھائی۔

''ہونہہ! وہ احساس کمتری کی ماری ہوئی عورت پیار کو بھی پیار نہیں سمجھتی، اس میں بھی شک کی ملاوٹ کر دیتی ہے، وہ سمجھتی ہے اس کے ساتھ پیار محبت کا ڈرامہ کرتا ہوں۔'' مراد حسن کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''تو تم انہیں یقین دلاؤ نا کہ تم کسی اور سے نہیں بلکہ ان سے ہی محبت کرتے ہو۔'' اس نے مراد کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''کیسے یقین دلاؤں؟ کیا اس کے قدموں میں سر رکھ کے روؤں، گڑگڑاؤں کہ پلیز میری محبت کا یقین کر لو؟'' مراد تلخی اور بے بسی کی انتہا پہ تھا۔

☆☆☆

"پاپا میرا ہاتھ جل گیا ہے۔" وہ ناشتا کرنے میں مصروف تھا۔ جب اہل بسورتی ہوئی اس کے قریب آئی تھی، مراد نے چونک کر اہل کی طرف دیکھا وہ اپنا ہاتھ اسے دکھا رہی تھی جسے دیکھ کر مراد حسن کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اس کے چھوٹے سے ہاتھ پہ جا بجا آبلے پڑے ہوئے تھے، یہ آبلے شاید بستر کی رگڑ لگنے سے پھٹ گئے تھے اور وہاں سے جلد اتری ہوئی لگ رہی تھی اور مراد حسن کا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔ وہ تڑپ کر اس کے قریب آیا تھا۔

"یہ کیسے جلا ہے؟" اس نے کلائی سے پکڑ کر اس کا ہاتھ دیکھا۔

"صاحب جی، اہل بی بی کے ہاتھ پر گرم دودھ گر گیا تھا" ملازمہ چائے لے کر آئی تو مراد کی بات سن کر رک گئی۔

"اتنا گرم دودھ کہاں رکھا تھا؟"

صاحب جی، دودھ تو کچن میں ہی رکھا تھا لیکن شاید اہل بی بی کو بھوک لگ رہی تھی۔ اس لیے خود ہی کچن سے دودھ لینے چلی گئیں؟"

ملازمہ بتا کر چلی گئی اور مراد نے خونخوار نظروں سے زیب النساء کو دیکھا وہ ناشتا کرنے میں مگن تھی۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" اس کا لہجہ انتہائی سخت اور کھردرا ہو رہا تھا۔

"زیب النساء میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" وہ اس کی خاموشی دیکھ کر تپ گیا تھا۔

"تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ اس وقت تم اپنی عیاشیوں میں مصروف تھے، تمہیں بتاتی تو تم ڈسٹرب ہوتے۔" زیب النساء نے اسے مزید تپا کے رکھ دیا تھا۔

"بکواس مت کرو، کتنی بار کہا ہے کہ اپنی زبان ملازموں اور بچی کے سامنے بند رکھا کرو۔" وہ غرا کے بولا۔

"ہونہہ ملازم اندھے نہیں ہیں، رہی تمہاری بچی تو اسے بھی یہ پتا ہونا چاہیے کہ اس کا باپ کیا گل کھلا رہا ہے۔"

"شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔" وہ یکدم دھاڑا۔

"تم اس طرح چیخ کر میری زبان بند نہیں کروا سکتے۔ میں ساری دنیا کو چلا چلا کر بتاؤں گی کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ تم رات گئے گھر آتے ہو اور کبھی کبھی تو آتے بھی نہیں ہو۔"

"چٹاخ......" چیخ چیخ کر بولتی زیب النساء کا منہ انتہائی زوردار تھپڑ نے بند کروا دیا تھا۔

"لگام دو، اپنی اس بے ہودہ زبان کو لگام دو، ورنہ یہی زبان تمہیں برباد کر دے گی۔" اس نے زیب النساء کو جبڑے سے پکڑ لیا تھا۔

"میں برباد ہوئی تو ساتھ تم بھی برباد ہو گے مراد حسن!" اس نے جھٹکے سے اپنا چہرا اس کے شکنجے سے چھڑا لیا تھا۔

"یہ بھول ہے تمہاری۔" مراد حقارت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میری بھول ہے تو تمہاری خوش فہمی ہے کہ تم مجھے برباد کر دو گے، بلکہ یہ کہو کہ تم اپنے آپ کو برباد کرو گے۔" جواباً وہ بھی پھنکار رہی تھی۔

"ہونہہ" وہ نفرت سے سر جھٹکتا ہوا پلٹا تو اہل کو دیکھ کر ٹھٹک گیا وہ ڈائننگ روم کے ایک کونے میں دبکی گھٹی گھٹی آواز میں رو رہی تھی وہ ماں

باپ کو اس طرح خونخوار تیوروں میں دیکھ کر سہم گئی تھی اس کا ڈر اور خوف اس کے چہرے سے عیاں ہو رہا تھا۔ مراد بے ساختہ اس کی طرف بڑھا تو وہ یکدم آنکھیں بند کر کے چیخنے لگی تھی۔

"امل میری جان!" اس نے امل کو اٹھا کر دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا تھا اور اسے لے کر گھر سے نکل گیا، اس کا ارادہ ڈاکٹر کے پاس جانے کا تھا امل کے ہاتھ کو ٹریٹمنٹ کی ضرورت تھی۔

☆☆☆

وہ آفس میں تھا جب ابرار کی کال آئی۔

"کیسے ہو؟" ابرار نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں، تم سناؤ کیسے یاد کیا؟" مراد حسن اپنے سامنے ٹیبل پہ پھیلی فائلز میں بزی تھا، اسی لیے اس کی مصروفیت اس کے لہجے سے ہی محسوس ہو رہی تھی۔

"کہاں ہو تم؟" ابرار نے دوسرا سوال پوچھا۔

"آفس میں ہوں یار اور کہاں ہوتا ہے؟" مراد کے لہجے میں اچانک تھکن اتر آئی تھی۔

"تھکے ہوئے لگ رہے ہو؟" ابرار کے اندازے پہ مراد مسکرا دیا۔

"میں تھکا ہوا لگ نہیں رہا بلکہ تھکا ہوا ہوں۔"

"اوہ! تو پھر یہ تھکن اترے گی کیسے؟"

"کیسے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ شوہر جن کی تھکن بیویاں سمیٹ لیتی ہیں۔" مراد کے انداز میں حسرت تھی، ابرار چپ سا ہو گیا تھا، اس کا جی چاہا وہ فون بند کر دے اور اپنے دوست کو مزید پریشان نہ کرے مگر بتائے بغیر چارہ بھی تو نہیں تھا۔

"آفس سے آف کب ہو رہے ہو؟"

"پانچ بجے، کیوں؟" مراد ٹھٹکا۔

"واپسی پہ گھر جاتے ہوئے ہماری طرف سے ہو کر جانا۔" ابرار نے آخر کہہ ہی دیا۔

"خیریت تو ہے نا!" مراد کچھ پریشان سا ہو گیا۔

"ہاں خیریت ہے، وہ دراصل زیب النساء بھابھی اور امل ہماری طرف ہی ہیں۔" ابرار نے اس کی تسلی کے لیے بتا دیا۔

"زیب النساء اور امل؟" مراد زیر لب دہرا کے رہ گیا تھا۔

"ہاں کافی دیر سے وہ یہاں ہی ہیں، اس لیے تم سے کہا ہے کہ واپس جاتے ہوئے تم بھی آ جانا، آرام سے بیٹھ کر بات ہو گی۔" ابرار نجانے کیا کہہ رہا تھا مراد نے کچھ بھی سنے اور کہے بغیر فون بند کر دیا تھا، اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ گویا اب وہ عورت اپنے گھر کا مسئلہ اور جھگڑا لے کر

دوسروں کے گھر پہنچ گئی تھی؟ اب وہ اس کے بہن اور بہنوئی کو ڈسٹرب کرنے کے چکر میں تھی؟ یعنی مراد حسن کو ذلیل کرنے کا ایک اور طریقے پہ عمل پیرا تھی؟ وہ سوچتے ہوئے سب کچھ چھوڑ کر یکدم کھڑا ہو گیا تھا، انتہائی ضروری کام بھی یونہی ادھورا پڑا رہ گیا تھا، اس کا دھیان تمام فائلز سے ہٹ کر ابرار اور شاہینہ کی طرف ہو چکا تھا، جو اس وقت زیب النساء جیسی ناگہانی آفت کو بھگت رہے تھے۔

"آر یو آل رائٹ سر؟" اس کی سیکرٹری اندر داخل ہوئی تو اسے یوں کھوئی کھوئی متفکری کیفیت میں کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

"ہوں! ایوری تھنگ از اوکے۔" وہ سر ہلاتا ٹیبل کی طرف پلٹا سب کچھ سمیٹ کر کام ہونے کے باوجود وقت سے پہلے ہی آفس سے اٹھ گیا۔

☆☆☆

"السلام علیکم۔" اس نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے کافی سرد آواز میں سلام کیا تھا۔

"مراد بھائی!" شاہینہ اتنے دنوں بعد اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھی فوراً لپک کے قریب آئی۔

"کیسی ہو؟" مراد نے اس کا سر تھپکا۔

"ٹھیک ہوں آپ سنائیں؟"

"میں کیا سناؤں؟ میری بیوی اتنا کچھ سناتی پھر رہی ہے کہ میرے سنانے کی تو گنجائش ہی نہیں نکلتی۔" مراد کا لہجہ کاٹ دار تھا سامنے صوفے پہ بیٹھی زیب النساء کے آنسوؤں میں شدت آ گئی تھی وہ لوگوں کے سامنے اپنی مظلومیت اور معصومیت کے ریکارڈ آنسوؤں کے ذریعے ہی توڑتی تھی۔

"بھائی! آپ بیٹھیے تو سہی۔" شاہینہ نے صوفے کی طرف اشارہ کیا وہ آہستگی سے بیٹھ گیا۔ برابر والے صوفے پہ ابرار بھی بیٹھا ہوا تھا۔

"جی فرمایئے عدالت میں میری پیشی کس لیے ہوئی ہے؟" وہ پوچھ تو ابرار سے رہا تھا لیکن نظروں کی تلوار زیب النساء کے وجود پہ لٹک رہی تھی جیسے ابھی کاٹ کے رکھ دے گی۔

"آپ لوگوں کا صبح کوئی جھگڑا ہوا تھا؟" ابرار، زیب النساء کا طرف دار بن کر بول رہا تھا۔

"ہاں ہوا تھا جھگڑا۔" اس نے اعتراف کیا۔

"تم نے بھابی پہ ہاتھ اٹھایا؟"

"ہاں......"

"مگر کیوں؟"

"شوہر کبھی بھی بیوی پہ ہاتھ نہیں اٹھاتا بلکہ بیوی اسے ہاتھ اٹھانے پہ خود مجبور کرتی ہے۔" مراد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یہ مسئلے کا حل تو نہیں ہے نا؟"

"ہونہہ تو مسئلہ حل کون کرنا چاہتا ہے بھلا؟" مراد نے طنزیہ کہا۔

"مراد پلیز! آپ لوگ ایک دوسرے سے بدگمانی چھوڑ کر تھوڑا آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔" اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اصل مسئلہ میری بدصورتی ہے، جو کبھی بھی حل نہیں ہوگی۔'' زیب النساء نے مداخلت کی، لہجہ روہانسا تھا۔

''اصل مسئلہ تمہاری بدصورتی نہیں تمہاری بدسیرتی ہے، تمہاری ذہنیت ہے، تمہارا احساس کمتری ہے، تمہاری گھٹیا اور چھوٹی سوچ اصل مسئلہ ہے جو کبھی بھی حل نہیں ہوسکتا۔'' مراد نے لفظ چبا چبا کر کہے تھے۔

''دیکھا ابرار بھائی، یہ اس طرح بات کرتے ہیں مجھ سے؟'' اس نے اپنے طرف دار کو گھسیٹا۔

''تم مجبور کرتی ہو مجھے۔'' مراد کا لہجہ سرد تھا۔

''مراد!'' ابرار نے اسے تنبیہ کی۔

''یار! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اس نے اپنی بدصورتی کو ایک طوق بنا کر میرے گلے میں ڈال دیا ہے اور وقتے وقتے سے مجھے یاد دلاتی رہتی ہے کہ یہ بدصورت ہے، یہ اپنی بدصورتی کا ڈھنڈورا خود پیٹتی ہے، اس سے پوچھو کیا میں نے بھی کبھی اسے بدصورت کہا ہے؟ اس کا ہر حق ادا کیا ہے ہر فرض پورا کیا ہے، ہر بات کو اہمیت دی ہے، پھر بھی، آخر کیوں؟ کیا کمی ہے میرے خلوص میں؟'' مراد جھنجلا گیا تھا۔

''کمی تم میں نہیں، کمی تو مجھ میں ہے۔'' زیب النساء کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا۔

''تو پھر تم اپنی کمی کو میری سزا کیوں بنا رہی ہو؟'' مراد نے تیز آواز میں کہا۔

''کیونکہ تم مجھے میری اس کمی کا احساس دلاتے ہو، گھر سے باہر رہ کر مجھے یہ باور کرواتے ہو کہ تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو۔'' زیب النساء نے پھر وہی پسند اور ناپسند کی تکرار شروع کر دی تھی، مراد زچ ہو چکا تھا۔

''مجھے تمہارا وجود نہیں، تمہاری باتیں گھر سے باہر رہنے پہ مجبور کرتی ہیں، تمہاری باتیں ناپسند ہیں مجھے۔'' مراد زور دے کر بولا تھا۔

''تو یہ کہہ دو نا کہ میں ناپسند ہوں؟ میری باتیں بری لگتی ہیں تو یقیناً میں بھی بری ہی لگتی ہوں گی؟''

وہ اپنے موقف پہ ڈٹی ہوئی تھی، وہ چاہتی تھی کہ مراد حسن اس کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرے اور وہ جوابا ہنگامہ کھڑا کر دے لیکن مراد حسن نے کبھی بھی اس کی بدصورتی کو ایشو نہیں بنایا تھا، ماں باپ نے اس کے ساتھ شادی کر دی اور وہ ماں باپ کی خوشی میں خوش ہو گیا لیکن زیب النساء مراد حسن کی مردانہ وجاہت اور شاندار پرسنالٹی کے سامنے اپنے آپ کو انتہائی کمتر سمجھتی تھی، اس کے سامنے وہ دب جاتی تھی اور یہ احساس اسے لوگوں کی نظروں سے بھی ہوتا تھا، کسی محفل میں جہاں مراد حسن ہوتا وہاں زیب النساء کو اپنا وجود نظر ہی نہیں آتا تھا۔ زیب النساء اس کے برابر کھڑے ہونے سے بھی کترا جاتی تھی۔ وہ فنکشنز اور پارٹیز میں دوسری خواتین کے ساتھ گفتگو کرتا تو وہ جل جل کر راکھ ہوتی رہتی اور پھر اس کی یہ جلن اور احساس کمتری مراد حسن کے لیے شک کا روپ دھار گئی۔ اس نے اپنی حرکتوں اور اپنی باتوں کی وجہ سے مراد حسن کا سونا، جاگنا، کھانا پینا حرام کر کے رکھ دیا تھا۔ پہلے وہ چپ ہو جاتی اور دب کے رہتی تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اندر کے غبار کو راستہ مل گیا اسے زبان ہلانا آ گیا تھا اسے منہ کھولنا اور آگ اگلنا آ گیا تھا اور اس نے مراد حسن کا لحاظ کرنا چھوڑ دیا تھا اب وہ بات بھی کرتی تو چھت پھاڑ کے۔ اس نے مراد حسن کو ہر جگہ ذلیل کر کے رکھ دیا تھا حالانکہ مراد حسن کہیں بھی قصوروار نہیں تھا لیکن اس نے اسے قصوروار بنا دیا تھا۔ آج وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر میں سر جھکائے بیٹھا راکھ ہو رہا تھا۔

"تم آخر چاہتی کیا ہو؟" مراد نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کافی تحمل سے پوچھا تھا۔

"تم غیر عورتوں کے پاس جانا چھوڑ دو۔" زیب النساء کی وہی ایک بات تھی مراد نے اپنے برابر بیٹھے ابرار کو دیکھا، ابرار نظریں چرا گیا وہ جانتا تھا کہ زیب النساء مراد پہ بے بنیاد الزام لگا رہی ہے۔

"تم بتاؤ اب میں کیا جواب دوں؟" مراد نے ابرار سے پوچھا کیونکہ وہی اپنی بھابھی کا طرف دار بنا بیٹھا تھا۔

"دیکھئے بھابھی! یہ آپ کی غلط فہمی ہے، مراد کا کسی کے ساتھ کوئی چکر نہیں ہے۔ وہ آپ کے ساتھ مخلص ہے، پلیز بلیو می۔" ابرار نے کافی متانت سے بات کی تھی لیکن زیب النساء تو زیب النساء ہی تھی نا۔

"کس چیز کے بل بوتے پہ یقین کروں؟" ایک طرف زیب النساء، ابرار سکندر کو بھائی کہہ کر اس سے بھائیوں والا مان طلب کر رہی تھی اور جب وہ اسے مان بخش رہا تھا تو وہ اپنی بے اعتباری دکھانے لگی، ابرار چپ کر گیا۔

"بتایئے نا کس بل بوتے پہ یقین کروں؟" اس نے پھر سوال کیا۔

"جب آپ کو ایک بھائی پہ یقین نہیں ہے تو کسی اور پہ کیوں ہوگا؟" ابرار نے افسوس سے گردن ہلائی۔

"مجھے اس لیے یقین نہیں ہے کیوں کہ تم میرے نہیں مراد حسن کے بھائی ہو، تمہیں میری نہیں اس کی بات ٹھیک لگے گی، تمہیں میں غلط نظر آؤں گی تم سب مجھے ہی دوش دو گے اور اسے نیک اور پارسا سمجھو گے کیونکہ وہ تمہارا اپنا ہے اور میں غیر۔" زیب النساء کا واویلا شروع ہو گیا۔

"دیکھیے بھابھی! آپ غیر نہیں ہیں، آپ ہماری کزن ہیں، ہماری بہن ہیں ہماری اپنی ہیں آپ پلیز اپنے آپ کو تنہا مت سمجھیں۔" شاہینہ اپنی جگہ سے اٹھ کر زیب النساء کے قریب آ بیٹھی اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اسے تسلی دینی چاہی لیکن زیب النساء یکدم بدک کے پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"کیوں نہ سمجھوں تنہا؟ تم مراد حسن کی بہن ہو، اس جیسی ہی گھٹیا اور میسنی، میں جانتی ہوں تم ہی اسے اندر ہی اندر میرے خلاف پٹیاں پڑھاتی ہو۔ تمہارا اور تمہارے شوہر کا کیا دھرا ہے سب کچھ، تم سب مل کر گیمنگی کر رہے ہو۔" وہ یکدم چیخی اور مراد نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے یکدم اسے ایک زناٹے دار تھپڑ دے مارا تھا جبکہ ابرار اور شاہینہ اپنی جگہ پہ شاکڈ رہ گئے تھے اس نے ان دونوں میاں بیوی پہ کتنا بڑا الزام لگا دیا تھا وہ ایسی بات کہہ گئی تھی جو انہوں نے کبھی خواب وخیال میں بھی نہیں سوچی تھی۔

"گھر چلو۔" مراد نے پتھریلے لہجے میں کہا۔

"نہیں جاؤں گی، میں آج تمہارے ساتھ کوئی فیصلہ کر کے ہی جاؤں گی۔" وہ انکاری تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں گھر چلو۔"

"نہیں جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے نہ جاؤ، لیکن میں نے آج فیصلہ کر لیا ہے۔ خدا حافظ۔" وہ یکدم کہتے ہوئے مڑا اور وہاں سے چلا گیا تھا، ابرار اور شاہینہ جوں کے توں بیٹھے رہے جبکہ زیب النساء پھنکار رہی تھی۔

☆☆☆

''طلاق؟'' زیب النساء طلاق کے پیپرز دیکھ کر سناٹے میں آ گئی تھی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ رات کو مراد حسن اکیلا ہی گھر آ گیا تھا اور غصے کی وجہ سے اس کی حالت ایسی تھی کہ شاہینہ نے نا چاہتے ہوئے بھی ناگواری کے باوجود زیب النساء کو گھر پہ روک لیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ مراد اس کی کبھی بات کو معاف نہیں کرے گا۔ اس لیے مزید دنگا فساد پھیلانے سے بہتر تھا کہ زیب النساء کچھ دیر اس کی نظروں سے اوجھل ہی رہتی، زیب النساء رکنے کو تیار نہیں تھی لیکن نجانے کیا سوچ کے وہ رک ہی گئی تھی۔ لیکن صبح ہوتے ہی اس نے واپسی کا شور مچا دیا تھا ال کو تیار کیا اور ابرار کے ڈرائیور کے ساتھ گھر آ گئی لیکن جیسے ہی وہ کمرے میں پہنچی بیڈ پہ اس کا طلاق نامہ رکھا تھا وہ چکرا گئی تھی۔

''مراد حسن نے مجھے طلاق دے دی؟'' وہ گم صم لہجے میں خود کلامی کے سے انداز میں بولی تھی اور وہیں بیڈ پہ بیٹھ گئی تھی۔ اس نے کمرے میں چاروں اطراف نظر دوڑائی، کمرے کی اک اک چیز اجنبی اور پرائی ہو چکی تھی حالانکہ اس نے کمرے میں چھ سال گزارے تھے مگر چھ سالوں کی رفاقت چند منٹوں میں اجنبی ہو گئی تھی۔ زیب النساء کو وہیں بیٹھے بیٹھے نجانے کتنی دیر گزر گئی۔ مراد حسن بھی گھر آ گیا تھا وہ کہیں گیا ہوا تھا شاید..... اسے دیکھ کر زیب النساء تیر کی طرح قریب آئی تھی۔

''مراد تم نے..... تم نے مجھے طلاق دیدی؟'' اس نے مراد حسن کا بازو دبوچ لیا۔

''ہاں میں نے تمہیں طلاق دیدی ہے۔''

اس کا لہجہ سرد و سپاٹ تھا، زیب النساء کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور اس پہ وحشت سوار ہو گئی تھی۔

''کیوں؟ تم نے مجھے طلاق کیوں دی؟ کیوں دی تم نے طلاق؟'' وہ مراد پہ جھپٹ پڑی تھی لیکن مراد نے اسے اک جھٹکے سے دور پھینک دیا تھا۔

''تم جنونی اور پاگل عورت یہ بھول رہی ہو کہ اب میں تمہارے لیے نامحرم ہوں، تمہیں میرے قریب تو کیا میرے سامنے بھی نہیں آنا چاہیے۔'' مراد حقارت سے بول رہا تھا۔

''میں پاگل اور جنونی ہوں میں بدصورت اور بری ہوں لیکن میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی مراد حسن! تم مجھ سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔'' زیب النساء نے کمرے کی چیزیں اٹھا اٹھا کر اسے مارنا شروع کر دی تھیں۔ مراد کچھ بھی کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ آج اپنے ضروری کام نپٹاتا پھر رہا تھا اس کے ارادے کیا تھے یہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ زیب النساء نے شاہینہ اور ابرار کے گھر فون کر کے مغلظات بکنا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

یہ مسئلہ طلاق کے بعد حل ہونے کی بجائے مزید گھمبیر ہو گیا تھا، کیونکہ مراد حسن نے اپنی بیٹی اپنے پاس رکھنے کا فیصلہ کیا تھا اور زیب النساء کو گھر چھوڑ دینے کا کہا تھا لیکن زیب النساء یہ دار خالی کیوں جانے دیتی؟ اس نے ال کو اپنے پاس رکھنے کا شوشا چھوڑ دیا تھا مگر مراد حسن اس جیسی ذہنی مریضہ کے پاس اپنی بیٹی کو چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا اس نے ال کو زیب النساء کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن زیب النساء نے اس انکار کو اپنی ضد بنا لیا وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر عدالت پہنچ گئی۔ ابرار اور شاہینہ نے مراد کو سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی کہ ال کو زیب النساء کے حوالے کر

دے مگر وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا وہ اپنی بیٹی کی تربیت خود کرنا چاہتا تھا، لیکن عدالت نے اپنا فیصلہ سنا کر مراد حسن کو مجبور و بے بس کر دیا تھا، فیصلہ زیب النساء کے حق میں ہوا تھا اس لیے وہ مزید مقابلے پر کھڑا نہ رہ سکا اور اہل کو زیب النساء کے پاس بھیج دیا۔

لہٰذا اہل کے جانے کے بعد فوراً ہی اس نے اپنا ٹکٹ کنفرم کروا لیا تھا اس نے اندر ہی اندر اپنے امریکا جانے کے انتظامات مکمل کر رکھے تھے ارادہ تھا کہ اہل کو بھی ساتھ لے کر جائے گا لیکن زیب النساء آڑے آ گئی تھی، سو مجبوراً اسے اکیلے ہی جانا پڑا تھا لیکن جانے سے پہلے اس نے بیٹی کی سہولت کے لیے ایک فلیٹ اور گاڑی خرید کر زیب النساء کے نام کر دی تھی، حق مہر کی رقم تو وہ پہلے ہی اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا چکا تھا البتہ اہل کے اخراجات کے لیے بھی اس نے الگ سے کیش بھجوایا تھا اور آئندہ ماہانہ خرچے کی ذمہ داری بھی خود ہی اٹھائی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھایا بھی۔ پھر اس نے دوسری شادی بھی کر لی اور دوسری بیوی سے دو بیٹے بھی ہو گئے تھے لیکن پھر بھی اہل کے معاملے میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔

☆☆☆

اگلے چند سالوں میں ملنے والا سب سے بڑا دھچکا ابرار سکندر کی موت کا تھا۔ مراد حسن اور شاہینہ، ابرار سکندر کی ناگہانی موت کے بعد جیسے خالی خالی سے ہو گئے تھے۔ شاہینہ شوہر کی دائمی جدائی اور مراد حسن دوست کے بچھڑ جانے کا غم ماتم کی صورت میں منا رہے تھے، زندگی میں پہلی بار مراد حسن یوں رویا تھا۔ اس کے سارے رشتے ابرار سکندر سے منسوب تھے، وہ اس کا یار اس کا غمگسار تھا۔ اس کا ہمدرد اور ہمراز بھی تھا لیکن اس کڑے وقت میں اسے حوصلہ بلند رکھنا تھا کیونکہ ابرار سکندر کے بچے اکیلے تھے۔ یتیمی کا دکھ انہیں بھی دن رات رلا رہا تھا، شاہینہ بکھر کے رہ گئی تھی۔ ایسے میں صرف مراد حسن ہی تھا جو انہیں سنبھال سکتا تھا اور اس نے پوری پوری کوشش کر ڈالی تھی۔

ابرار سکندر بینک میں جاب کرتا تھا اور اس کی ڈیتھ کے بعد بینک کی طرف سے بھی جاب شاہینہ کو آفر ہوئی تھی وہ پڑھی لکھی اور سمجھ دار عورت تھی، جب ہی مراد کے منع کرنے کے باوجود یہ جاب کر لی تھی وہ اپنی ذمہ داریاں خود اٹھانا چاہتی تھی اور اللہ نے اسے بہتر موقع فراہم کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود مراد حسن نے اپنا ہاتھ نہیں کھینچا تھا وہ ساتھ ساتھ بہن کی ہیلپ کرتا رہا تھا۔

شہریار تعلیم سے فارغ ہوا تو اسے چھوٹا موٹا کاروبار سیٹ کر دیا تھا اور زاویار کی خواہش پہ اس کا ویزا اپلائی کر دیا اور محض تین مہینے میں اس کا ویزا اوکے ہو گیا اور وہ اپنے ماموں مراد حسن کے پاس امریکا چلا گیا تھا۔ چھوٹے دونوں بہن بھائی اسفی اور عینی ابھی اسکول میں پڑھ رہے تھے اس لیے شاہینہ ان کی طرف سے بے فکر تھی اسے سب سے زیادہ فکر شہریار اور زاویار کی طرف سے تھی کیونکہ وہ جس ایج میں تھے اس میں بگڑنے کے امکانات زیادہ تھے لیکن مراد حسن انہیں بڑے طریقے سے ہینڈل کرتے تھے، اب شہریار بزنس میں کامیابی کے لیے جدوجہد کر رہا تھا اور زاویار تعلیمی ریکارڈ بنانے کی دھن میں مگن تھا، شاہینہ اس چیز پہ خوش اور مطمئن تھی اور مراد کو بھی اطمینان تھا۔ البتہ مراد حسن کی اپنی بیٹی کی تعلیم و تربیت کیسی ہوئی تھی وہ کوشش کے باوجود نہیں جان سکا تھا۔

☆☆☆

''تمہارا اسکول جانا بند۔'' وہ اسکول کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ جب زیب النساء نے حکم صادر کیا تھا۔

''مگر ممی ابھی تو میں نے میٹرک بھی نہیں کیا۔'' ال نے حیرانی سے کہا۔

''ضرورت ہی کیا ہے؟'' زیب النساء تمسخرانہ بولی۔

''ممی تعلیم ضرورت دیکھ کر تو نہیں......''

''بس بس مجھے سبق پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، تم نے جتنا پڑھ لیا ہے وہی کافی ہے، میں تمہاری اتنی مہنگی فیسیں نہیں بھر سکتی، تمہارا باپ فیکٹریاں میرے نام کر کے نہیں گیا، جن کی آمدنی تم پہ خرچ کر دوں۔''

یہ دو کمرے کی قبر اس نے ہمارے نام کی ہے، ایک تجھے دفن کرنے کے لیے اور ایک مجھے دفن کرنے کے لیے۔'' زیب النساء نے فلیٹ پہ ایک تحقیر بھری نظر ڈالی۔

''تو نہ لیتیں آپ یہ قبر، کیوں لے لی تھی۔'' ال تلخی سے بولی۔

''اگر نہ لیتی تو کہاں جاتی منحوس؟''

''ہونہہ منحوس میں نہیں، منحوس تو آپ ہیں، آپ کو وہ محل جیسا گھر راس نہیں آیا اور اٹھ کر اس کوٹھڑی میں آ گئیں، اپنی زبان سے اپنی زندگی تباہ کر ڈالی اور ساتھ ساتھ مجھے بھی ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا، کیا ملا آپ کو ایسا کر کے؟ اب تو خوش ہیں نا؟'' ال یکدم پھٹ پڑی تھی، اپنی عمر کے لحاظ سے وہ ابھی بچی تھی لیکن ماں کی بدزبانی نے اسے بھی تیز دھار بنا دیا تھا وہ اپنی عمر سے بڑی باتیں کہہ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ماں کا لحاظ بھی نہیں کرتی تھی۔

''تو مجھے باتیں سناتی ہے؟ میں تیری ہڈیاں پیس کے رکھ دوں گی۔'' زیب النساء نے ہاتھ میں پکڑے بیلن سے اسے مارنا شروع کر دیا تھا اور ال کی چیخوں سے پورا گھر گونج اٹھا تھا، زیب النساء کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اس کو مار مار کر ہانپنے لگی تھی اور ال قالین پہ گری تڑپ رہی تھی بیلن اس کی کہنی کی ہڈی پہ لگا تھا اور درد کی لہریں پورے جسم میں اٹھ رہی تھیں، گال پہ تھپڑ بھی پڑا تھا، جس سے گال اندر سے پھٹ گیا تھا اور منہ سے خون بہنے لگا تھا۔

''مر کیوں نہیں جاتی ہو؟ اتنی ہی ہمدردی ہے اپنے باپ سے تو چلی جاؤ اس کے پاس، آٹھ سال ہو گئے ہیں وہ تیری شکل پہ تھوکنے بھی نہیں آیا، اگر اتنی ہی پروا ہوتی تو تجھے اپنے ساتھ لے کے جاتا، مہینے کے مہینے خیرات نہ بھجواتا۔'' اس نے قالین پہ جھک کر ال کے بالوں کو جھنجوڑا اور ال اپنی تکلیف پہ روتی بلکتی اٹھنے کی کوشش کرتی رہ گئی تھی۔ زیب النساء اسے ٹھوکر مار کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور پھر یہ مار پیٹ کا سلسلہ چل نکلا تھا کیونکہ ال کو جوابا زبان کا استعمال کرنا آ گیا تھا، جو زیب النساء کی برداشت سے باہر ہو جاتا تھا اور اس کے بعد ان کے فلیٹ میں دنگا فساد مچ جاتا تھا۔ باہر تک آوازیں جاتیں ان دونوں ماں بیٹی کے منہ سے نکلنے والی مغلظات کی کوئی حد نہیں ہوتی تھی بلکہ ال اپنی ماں سے بھی چار ہاتھ آگے تھی۔ زیب النساء کا رنگ اس پہ پوری طرح سے آیا تھا اور اسی گھٹے گھٹے ماحول نے اس کو اتنا منتشر کر دیا کہ اب اسے وحشت کے دورے پڑنے لگے تھے اور اس دورے کے دوران وہ خود خوف زدہ ہو جاتی تھی اور خطرناک بھی۔

اس نے ایک بار چھری لے کر زیب النساء پہ حملہ بھی کیا تھا مگر اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ اس کے وار سے بچ گئی تھی البتہ بازو اور ہاتھ زخمی ہو گئے تھے اور اب زیب النساء کو اپنا آپ خطرے میں لگنے لگا تھا۔

☆☆☆

"شہریار، شہریار! کہاں ہو بیٹا؟" شاہینہ اسے پکارتے ہوئے اوپر آئیں۔

"جی امی! کیا بات ہے؟" شہریار اپنے بیڈروم سے نکل آیا۔

"زاویار آ رہا ہے۔" انہوں نے خوشی خوشی بتایا۔

"وہ تو مجھے بھی پتہ ہے۔"

"لیکن اس کے ساتھ کوئی اور بھی آ رہا ہے۔" شاہینہ کے لہجے میں خوشی رقص کر رہی تھی۔

"کون؟"

"تمہارے ماموں۔" شاہینہ کا چہرہ دمک رہا تھا، مراد حسن چودہ سال بعد پاکستان آ رہے تھے اور ایک بہن کے لیے یہ خوشی کچھ کم تو نہ تھی۔

"سچ؟ پھر تو واقعی بہت خوشی کی بات ہے۔" شہریار کو بھی سن کر خوشی ہوئی تھی، ان کا مستقبل بنانے میں ان کے ماموں کا بہت بڑا ہاتھ تھا آج وہ دونوں بھائی انہی کی وجہ سے اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کے قابل ہوئے تھے۔

اکیلے آ رہے ہیں؟"

"ہاں فی الحال تو اکیلے ہی آ رہے ہیں لیکن انشاء اللہ بہت جلد اپنی فیملی کو بھی یہیں لے آئیں گے۔"

شاہینہ کی ابھی ابھی مراد حسن سے تفصیلی بات ہوئی تھی۔

"لیکن یہ اچانک کیسے پروگرام بن گیا؟"

"پروگرام اچانک نہیں بنا، بلکہ بنوایا گیا ہے۔" شاہینہ مسکرائیں۔

"کیا مطلب؟" شہریار ناسمجھی سے بولا۔

"میں نے ان سے کہا تھا کہ شہریار کی شادی کی ڈیٹ اس روز فکس کروں گی۔ جس روز آپ آئیں گے میں اکیلی بیٹے کی شادی نہیں کر سکتی۔ سو انہیں میری بات ماننا پڑی، اسی لیے آ رہے ہیں۔" شاہینہ نے ساری بات بتائی۔

"اوہ! تو اصل وجہ میں ہوں؟ وہ میرے لیے آ رہے ہیں؟" شہریار نے کالر کھڑے کیے۔

"تمہارے لیے نہیں، تمہاری شادی کے لیے۔" انہوں نے مسکرا کر چپت لگائی۔

"تو پھر کب ہو رہی ہے میری شادی؟" شہریار نے شرارت سے پوچھا۔

"جب تمہارے ماموں نے کہا۔" وہ کہہ کے اٹھ گئیں۔ یہ خوشخبری منگیتر کو سنانی تھی اسی لیے نیٹ آن کر لیا تھا اور ابھی وہ اپنی منگیتر سے بات کر رہا تھا کہ آسفی اور نیتی اس کے بیڈروم میں آن دھمکے، وہ بھی خبر سن کر آ رہے تھے جب ہی تو بھنگڑا ڈال رہے تھے اور اسے تنگ کر رہے تھے۔

☆☆☆

اور ایک ماہ بعد جیسے ہی زاویار اور مراد حسن پاکستان پہنچے، شہریار کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ ان کی آمد کے دوسرے روز ہی شہریار کی سسرال جا کر وہ لوگ شادی کی ڈیٹ فکس کر آئے تھے، مراد حسن کو واپس بھی جانا تھا اس لیے وہ سارے کام جلدی نپٹانا چاہتے تھے۔ شادی کی

ڈیتھ کے بعد ان کا پہلا ارادہ اہل سے ملنے کا تھا۔ اور آج وہ اپنے ارادے پر عمل کرنے کے لیے پر تول رہے تھے۔ شاہینہ ان کے چہرے کی بے چینی بھانپ گئیں۔

''کیا بات ہے مراد بھائی! آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' وہ قریب آ گئیں۔

''ہوں!''

''کہاں؟''

''اہل سے ملنے۔'' مراد کا لہجہ دھیما تھا۔

''وہ نہیں ملنے دے گی۔''

''وہ مجھے روک بھی نہیں سکے گی۔'' مراد حسن تلخی سے بولے۔

''لیکن مراد بھائی!'' شاہینہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن مراد حسن نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا'' مجھے پتہ ہے مجھے کیا کرنا ہے۔''

''میں شہریار کو بھیجتی ہوں آپ کے ساتھ۔''

شاہینہ تیزی سے ڈرائنگ روم سے نکل گئیں اور شہریار کو پکارا لیکن وہ شاید گھر پہ نہیں تھا۔

''خیریت؟ شہریار کو کیوں بلا رہی ہیں؟'' زاویار اپنے بیڈروم سے نکل رہا تھا جب ان کی آواز سن کر ٹھہر گیا۔

''اسے مراد بھائی کے ساتھ بھیجنا ہے، وہ اکیلے جا رہے ہیں۔''

''تو اس میں اتنی پریشانی والی کیا بات ہے؟'' زاویار کو حیرانی ہوئی۔

''تم نہیں جانتے وہ عورت کتنی وحشی اور جنونی ہے، وہ کچھ بھی کر سکتی ہے، میں انہیں اکیلے نہیں جانے دوں گی۔''

''ڈونٹ وری مام! کچھ نہیں ہوتا، آپ خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں میں چلا جاتا ہوں۔'' اس نے ماں کو تسلی دی۔

اور پھر مراد حسن کے ساتھ گھر سے نکل آیا۔ انہوں نے اسے گائیڈ کیا چودہ سال بعد بھی مراد حسن کو تمام راستے ازبر تھے۔

''دستک دوں؟'' زاویار نے دروازے پہ پہنچ کے ان سے اجازت چاہی۔

''ہوں۔'' انہوں نے سر ہلایا اور اثبات میں جواب ملتے ہی زاویار نے دستک دے ڈالی۔

''کون ہے؟'' زیب النساء کی کرخت آواز بہت بلند تھی، مراد حسن کے اعصاب میں تناؤ آ گیا تھا۔ زاویار نے دوسری بار پھر دستک دی۔

''میں پوچھ رہی ہوں، کون کم بخت دروازہ بجا......'' زیب النساء نے اونچی آواز میں بولتے ہوئے دروازہ کھولا اور سامنے نظر پڑتے ہی زبان بند ہو گئی تھی، باقی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے وہ ساکت سی کھڑی تھی اس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیلی ہوئی تھیں۔

''السلام وعلیکم آنٹی!'' ان دونوں فریقین کی خاموشی نوٹ کرتے ہوئے زاویار نے ہی بولنے میں پہل کی۔

''میں زاویار سکندر ہوں، انکل مراد کا بھانجا، ہم لوگ اہل سے ملنے آئے ہیں۔'' زاویار نے تعارف کروایا اور زیب النساء کی آنکھیں پھیل

گئی تھیں۔شاہینہ اور ابرار کا بیٹا اتنا خوبصورت، اتنا ہینڈسم تھا؟ اس پہ نظر نہیں ٹھہر رہی تھی وہ مراد حسن سے بھی زیادہ وجیہہ لگ رہا تھا۔

''اہل گھر پہ ہے؟'' زاویار نے اس کی جائزہ لیتی نظروں سے الجھ کر پوچھا۔

''نن.....نہیں.....وہ گھر پہ نہیں ہے۔'' اس نے زاویار کے سوال سے ہی اپنے مطلب کا جواب نکال لیا۔

''وہ گھر پہ ہے۔'' اب کی بار مراد حسن بولے تھے۔

''وہ گھر پہ نہیں ہے کچھ دیر بعد آئے گی۔'' زیب النساء نے اپنی گھبراہٹ پہ قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

''میں کہہ رہا ہوں، وہ گھر پہ ہے، اس لیے میں اس سے مل کر ہی جاؤں گا بہتر ہے کہ تم خود ہی راستہ چھوڑ دو۔'' مراد حسن نے زیب النساء کی ویران اور اجاڑ آنکھوں میں دیکھ کر کہا تھا، زیب النساء کی حالت بھی اپنی آنکھوں جیسی ہی تھی۔لمحہ بھر کے لیے مراد حسن کے دل پہ افسوس اور رحم کی لہر دوڑ گئی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے زیب النساء نے اس لہر کو پھر بے رحمی میں بدل دیا۔

''میں تمہیں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنے دوں گی، دفع ہو جاؤ یہاں سے وہ اب تک اپنی عادت پہ قابو نہیں پا سکی تھی.....'' اپنی آواز نیچی رکھو۔تم کون ہوتے ہو مجھے حکم دینے والے؟'' وہ چلائی۔

''میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا پیچھے ہٹو۔'' مراد حسن حقارت سے کہتے زیب النساء کو دھکیل کر اندر داخل ہو گئے تھے اور زاویار کو بھی ان کی تقلید کرنا پڑی لیکن اندر داخل ہونے پہ وہ دونوں مرد حضرات دنگ رہ گئے تھے۔انتہائی لگژری فلیٹ کسی جھونپڑے یا کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کا سا نقشہ پیش کر رہا تھا۔بے رنگ دیواریں، گرد آلود فرنیچر، گندے صوفے، کشنز کے پھٹے پرانے کور، میلی پیلی کھلی گندے برتن۔مٹی سے اٹے پردے، ادھ کھلی کھڑکیاں اور بھی پتہ نہیں کیا کچھ نظر آ رہا تھا جس کو دیکھ کر زاویار کو گھن اور وحشت ہونے لگی تھی جبکہ مراد حسن چکرا گئے۔

''اہل!'' وہ بلند آواز سے پکارنے لگے۔

''اہل!'' انہوں نے ایک کمرے کا دروازہ کھول کے دیکھا وہ خالی پڑا تھا۔ان کے لہجے میں پریشانی تھی، زاویار بھی خود پہ ضبط کرتا ان کے پیچھے تھا۔

''اہل!'' انہوں نے دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا۔سامنے ہی بیڈ پہ انہیں کوئی نظر آیا وہ لپک کے قریب چلے آئے۔

''اہل کیسی ہو بیٹا؟ آنکھیں کھولو۔'' مراد حسن نے بے تابی سے اسے سیدھا کیا لیکن اس کے چہرے کو ہاتھ لگاتے ہی وہ بدک گئے یوں جیسے کرنٹ چھو گیا ہو، وہ انتہائی تیز بخار میں پھنک رہی تھی، اس کا چہرہ آگ کی طرح دہک رہا تھا اور خود ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔

''کیا ہوا ماموں؟'' زاویار ان کو پریشان دیکھ کر اندر آ گیا۔

''اس کو تو بہت تیز بخار ہے اور.....اور یہ.....یہ بے ہوش ہے۔'' مراد حسن کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔وہ اتنے سالوں بعد بیٹی سے ملنے آئے تھے اور بیٹی کس حال میں ملی تھی۔

''ڈاکٹر کو بلاؤں؟''

''ڈاکٹر کو یہاں نہیں بلانا، بلکہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہوگا اس کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔''

''ٹھیک ہے لے چلتے ہیں۔'' زاویار نے اہل کے چہرے کی سمت دیکھا اور مزید حیران ہوا، وہ انتہائی کمزور اور ابتر حالت میں تھی اس کے چہرے کے عام سے نین نقوش پہ زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ الجھے بکھرے بال کھردرے اور بے رنگ لگ رہے تھے۔ ہونٹوں پہ پپڑی جمی تھی۔ چہرے کی جلد بھی بے حد روکھی نظر آرہی تھی۔ اسے دیکھ کر کہیں سے بھی یہ نہیں لگتا تھا کہ وہ مراد حسن جیسے شاندار اور گریس فل آدمی کی بیٹی ہے۔ زاویار کو حقیقتاً بڑی حیرت ہوئی تھی۔

اس نے ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ اسے غور سے دیکھا تھا لیکن دوبارہ دیکھنے کے باوجود بھی اسے اہل مراد میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی تھی اور اس چیز پہ زاویار کو خاصا دھچکا لگا تھا وہ تو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ماموں کی بیٹی بھی ان دونوں بیٹوں جیسی ہی ہوگی، خوبصورت اور کیوٹ۔

''ارے نہیں ماموں! آپ پیچھے ہٹیں میں اسے اٹھا کے نیچے لے جاتا ہوں۔'' مراد حسن، اہل کو اٹھانے کی کوشش میں تھے کہ زاویار نے انہیں روک دیا۔

''تم لوگ اسے کہیں نہیں لے جاسکتے۔'' زیب النساء کی آواز پہ مراد حسن تڑپ کر پلٹے تھے۔

''تمہارا وحشیانہ راج اٹھارہ سال تک تھا۔ اب وہ اٹھارہ کی بجائے انیس سال کی ہو چکی ہے وہ بالغ ہے وہ اپنا فیصلہ خود کرسکتی ہے اب اگر کچھ گڑبڑ کرو گی تو سیدھا جیل جاؤ گی۔'' انہوں نے اسے وارننگ دی۔

''میں کسی جیل سے نہیں ڈرتی مراد حسن! یہ گھر بھی کسی جیل سے کم نہیں ہے، چودہ سال ہو گئے ہیں اس جیل میں مرتے ہوئے اور میں تمہاری بیٹی کو بھی اسی جیل میں سڑاؤں گی وہ یہاں سے نہیں جائے گی۔ میرے ساتھ یہیں گھٹ گھٹ کر مرے گی۔'' زیب النساء کے انداز پہ مراد حسن کو پاگل پن کا گمان ہوا تھا لیکن پھر سر جھٹک کر زاویار کی طرف متوجہ ہوئے۔

''اسے لے کر چلو۔'' انہوں نے اہل کی طرف اشارہ کیا اور زاویار نے ان کے حکم کی تعمیل کی تھی، زیب النساء کی چیخ اور پکار اور ہاتھا پائی کے باوجود وہ اہل کو لے کر باہر نکل گیا تھا لیکن پیچھے زیب النساء نے توڑ پھوڑ مچادی تھی۔ وہ پاگل ہو اٹھی تھی۔

وہ لوگ اسپتال کے پرائیویٹ روم میں بالکل چپ اور دم سادھے بیٹھے تھے۔ اتنے نفوس کی موجودگی کے باوجود روم میں گہرا سناٹا تھا، وقفے وقفے سے باہر راہداری میں سے گزرتی نرسوں کی ہیل کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی اور ان ہی میں سے ایک ٹک ٹک کی آواز رفتہ رفتہ ان کے قریب آتی چلی گئی تھی۔

''اہل مراد کے پیرنٹس کہاں ہیں؟'' نرس نے دروازے میں رک کر پوچھا تھا۔ مراد حسن بہت تیزی سے اٹھ کر سامنے آئے تھے۔

''آیئے سر! آپ کو ڈاکٹر صاحب نے بلایا ہے۔'' نرس نے پیغام دیا تو مراد حسن نے فوراً شاہینہ، شہریار اور زاویار کی سمت دیکھا تھا، شاہینہ نے نظر چرائی تھی، وہ بھائی کا دکھ نہیں دیکھ سکتی تھی جبکہ شہریار اور زاویار اٹھ کر ان کے قریب چلے آئے تھے۔

''ہم بھی چلتے ہیں آپ کے ساتھ۔'' وہ انہیں تسلی دیتے ان کے ساتھ باہر نکل آئے اور ڈاکٹر کے روم کا رخ کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب ان ہی

کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

''تشریف رکھیے۔''انہوں نے اشارہ کیا۔

''تھینک یو۔''مراد حسن بہ مشکل بول پائے۔ان کے دائیں بائیں زاویار اور شہریار بھی بیٹھے تھے۔

''آپ امل کے فادر ہیں؟''

''جی......''

''اور امل کی مدر کہاں ہیں؟''

''ہماری علیحدگی ہو چکی ہے۔''

''امل آپ کے پاس تھی یا اپنی مدر کے پاس؟''

''اپنی مدر کے پاس۔''

''اور ان کی مدر کا رویہ ان کے ساتھ کیسا تھا؟''

''آئی ڈونٹ نو۔''مراد حسن نے نفی میں گردن ہلائی۔لہجہ دھیما تھا اور کچھ کچھ شرمندہ بھی۔

''لیکن امل مراد کی رپورٹس سے نظر آتا ہے کہ وہ مسلسل ذہنی دباؤ کا اور تشدد کا شکار رہی ہیں ان کے بازوؤں پہ اور گردن پہ تشدد کے نشانات واضح نظر آرہے ہیں اور یہ تو آپ کی قسمت اچھی تھی کہ آپ اسے بروقت اسپتال لے آئے ورنہ شاید بخار اور ذہنی ہیجان کی وجہ سے ان کے دماغ پر اثرات کا قوی امکان تھا، جس کی وجہ سے وہ ذہنی توازن کھو سکتی تھیں اور اس وقت آپ کسی اسپتال میں نہیں بلکہ پاگل خانے میں بیٹھے ہوتے۔''ڈاکٹر نے اپنے سامنے ٹیبل پہ پھیلی امل کی رپورٹس کو افسوس بھری نظروں سے دیکھا تھا اور مراد حسن دم بخود رہ گئے تھے۔

''اب......اب کیسی کنڈیشن ہے اس کی؟''مراد حسن نے بے چینی سے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے کہ وہ اب خطرے سے باہر ہیں، لیکن ابھی اصل کنڈیشن کا اسی وقت پتا چلے گا جب وہ ہوش میں آئیں گی ان کی دماغی حالت کیسی ہے، یہ ابھی کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا؟''ڈاکٹر نے لاپرواہی سے کہا۔

''وہ کب تک ہوش میں آجائے گی؟''مراد حسن کا لہجہ متفکر تھا۔

''صبح تک ہوش آجائے گا، آپ پریشان مت ہوں اوپر والا بہتر کرے گا، آپ اچھے کی امید رکھیں اور دعا کریں۔''ڈاکٹر نے انہیں ساری تفصیل سے آگاہ کرنے کے بعد جانے کی اجازت دی اور خود بھی اٹھ کر باہر نکل گئے لیکن مراد حسن میں اتنی سکت نہیں تھی کہ کرسی سے اٹھ کر باہر جاتے۔

زاویار ان کی کیفیت بھانپ چکا تھا۔جب ہی انہیں بازو سے پکڑ کر سہارا دیا اور واپس پرائیویٹ روم میں آگیا، جہاں شاہینہ اکیلی بیٹھی، دل ہی دل میں امل کے لیے دعا گو تھیں۔

مراد حسن اپنی بیٹی کی تکلیف، اذیت اور اس وقت کو یاد کر کے رو رہے تھے جب وہ کورٹ کی طرف سے ملنے والے حکم کے مطابق امل کو

زیب النساء کے پاس چھوڑنے پہ مجبور ہو گئے تھے، کاش، وہ اہل کو سب سے چھپ کے اپنے ساتھ لے جاتے، کسی کا بھی کہنا نہ مانتے۔ شاہینہ بھی سب سن کر حیران رہ گئی تھیں، کیا کوئی ماں ایسا کر سکتی تھی؟ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ سب ایک ماں کیسے کر سکتی ہے؟"

☆☆☆

"پلیز ماموں! آپ ناشتا کر لیں۔" شہریار کوئی پانچویں مرتبہ مراد حسن کے پاس آ کر ناشتے کے لیے اصرار کر رہا تھا۔ مراد حسن کل سے مسلسل اسپتال میں ہی تھے اور اہل کے سرہانے بیٹھے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی کنڈیشن خطرے سے باہر ہوئی تو اسے ڈاکٹرز نے پرائیوٹ روم میں شفٹ کر دیا تھا۔ لیکن اس کے ٹریٹمنٹ کا سلسلہ رات بھر جاری رہا تھا۔ وقفے وقفے سے ڈرپس اور انجکشن لگتے رہے تھے اور مراد حسن نے رات بیٹھ کے گزار دی تھی اور صبح سے شہریار ان کے لیے متفکر ہو رہا تھا۔ وہ ہوش میں آ جائے گی تو ناشتا بھی کر لوں گا۔ ان کا ایک ہی جواب تھا۔

"ماموں پلیز! آپ پریشان مت ہوں، میں ابھی ڈاکٹرز سے مل کر آ رہا ہوں۔ ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ یہ بے ہوشی اس کے لیے ذہنی سکون کا باعث ہے، جب وہ ہوش میں آئے گی تو اس کے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو چکا ہو گا، وہ پہلے سے ریلیکس فیل کرے گی۔"

شہریار نے ان کو سمجھایا، تسلی دینے کی کوشش کی، مگر مراد حسن بہلنے والے نہیں تھے، وہ اس وقت اپنے آپ کو اپنی بیٹی کا مجرم گردان رہے تھے۔ کل سے ایک گھونٹ پانی یا پھر کھانے کا ایک نوالہ بھی نہیں لیا تھا اور یہی بات شہریار کو پریشان کر رہی تھی وہ بھی رات سے ان کے ساتھ تھا، شاہینہ اور زاویار کو مراد حسن نے رات ہی واپس گھر بھیج دیا تھا۔ اب اور بیٹی اکیلے تھے۔

"بیٹھ جاؤ بیٹا! کر لوں گا ناشتا بھی، اتنی سی بھوک اور پیاس سے مر نہیں جاؤں گا، ڈونٹ وری۔"

مراد حسن نے شہریار کا ہاتھ کھینچ کر ساتھ والی کرسی پہ بٹھا دیا لیکن اتنے میں شہریار کی نظر بیڈ پہ جا پڑی تھی۔ اس کے وجود کی حرکت اس کے چہرے پہ خوشی دوڑ گئی تھی۔

"اہل......!" شہریار لپک کے قریب آیا تھا اور اس کے ساتھ ہی مراد حسن بھی اٹھ کھڑے ہوئے، انہوں نے بے یقینی سے اور خوشی کے عالم میں اہل کو دیکھا۔

"اہل......میری بیٹی! میری گڑیا۔" مراد حسن نے اس کے چہرے پہ جھکتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"ک......کون ہو تم؟" وہ گھبرا کے تھوڑا پیچھے ہوئی تھی، اس کی آنکھوں میں وحشت اور خوف کا صحرا بچھا ہوا تھا۔

"میں تمہارا بابا ہوں میری جان!" مراد حسن نے جس محبت سے کہا، اہل گم صم سی ہو کر دیکھنے لگی تھی اور اس کے بعد اسے ایسی چپ لگی کہ اس نے دوبارہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالا تھا۔ ڈاکٹرز نے اسے تین دن بعد ڈسچارج کر کے گھر بھیج دیا تھا۔ لیکن گھر آ کر بھی اس کی وہی چپ تھی بلکہ وہ چپ اور بھی گہری ہوتی جا رہی تھی۔

اس نے شہریار کو دیکھا، زاویار کو دیکھا، اسفر اور عائشہ کو دیکھا ان کا رہن سہن دیکھا، گھر کا ماحول اور صفائی ستھرائی دیکھی، ان کی ماں کی ان

سے محبت دیکھی، ان بہن، بھائیوں کے چاؤ چونچلے دیکھے تو وہ مزید گم صم اور گونگی ہوتی چلی گئی تھی لیکن اس کی چپ اور گم صم کیفیت نے مراد حسن کو پاگل کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ پریشانی سے نڈھال ہو چکے تھے۔ اہل کو بلا بلا کر تھک گئے تھے۔ لیکن اس کی طرف سے کوئی رسپانس نہیں ملتا تھا اس وقت بھی مراد حسن اسے اپنے ساتھ لیے لاؤنج میں بیٹھے تھے اور جان بوجھ کر چھوٹے چھوٹے سوال کرتے ہوئے اسے بولنے پر اکسا رہے تھے لیکن اس کی چپ ٹوٹ ہی نہیں رہی تھی۔

زاویار اچانک لاؤنج میں داخل ہوا تو مراد حسن کو اس کے ساتھ مغز ماری کرتے دیکھ کر ٹھہر گیا تھا۔ اس نے ایک نظر اہل کو دیکھا، وہ سر جھکائے بیٹھی اپنے ہاتھوں کو گھور رہی تھی۔ زاویار مضبوط قدم اٹھاتا ان دونوں باپ بیٹی کے سامنے والے صوفے پہ جا کر بیٹھ گیا تھا۔ نظریں ابھی بھی اہل کے جھکے ہوئے سر پہ ہی تھیں۔

"ماموں آپ ایک کام کریں۔" زاویار نے بات شروع کی اور مراد حسن نے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا۔

"آپ اہل کو واپس اس کی مدر کے پاس بھیج دیں۔" زاویار نے لاپروائی سے کہا۔

"نہیں.....میں واپس نہیں جاؤں گی۔" اہل نے جھٹکے سے سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے انتہائی تیزی سے کہا تھا، یوں جیسے اسے کوئی کنویں میں دھکا دینے والا ہو اور وہ احتجاجاً بول پڑی ہو۔ مراد حسن دنگ رہ گئے تھے وہ پورے ایک ہفتے سے اسے بولنے پر اکسا رہے تھے بلکہ ہر طریقہ آزما لیا تھا لیکن اس نے زبان نہیں کھولی تھی اور اب کتنی تیزی سے جواب دیا تھا۔ انہوں نے ان ہی حیران نظروں سے زاویار کو دیکھا وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"آپ کو واپس تو جانا ہی پڑے گا کیونکہ آپ کا گھر تو وہ فلیٹ ہی ہے، یہ گھر تو ہمارا ہے، آپ یہاں مہمان بن کے آئی ہیں ہمیشہ کے لیے نہیں آئیں۔" زاویار کا انداز تمسخرانہ تھا اہل اس کے چہرے کے تاثرات کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی اور اس کے تاثرات میں سنجیدگی کے سوا کچھ نظر نہیں آیا تھا۔

"میں نہیں جاؤں گی، کبھی نہیں جاؤں گی، میں مر جاؤں گی وہاں......" وہ یکدم چیخ کے بولی تھی اور مراد حسن کبھی اہل کو اور کبھی زاویار کو دیکھنے لگے۔

"آپ کیوں نہیں جائیں گی؟ وہاں تو آپ کی ممی بھی ہیں۔" اس نے طنزیہ کہا۔

"نہیں ہیں میری ممی، میری کوئی ماں نہیں ہے......اور......اور میرا تو کوئی باپ بھی نہیں ہے، میرے ماں باپ مر چکے ہیں، میں یتیم ہوں، لاوارث ہوں، میرا کوئی بھی نہیں ہے کوئی بھی نہیں ہے میرا۔" وہ اب ہذیانی انداز میں چلانے لگی تھی۔ مراد حسن ششدر سے بیٹھے اس کا رد عمل دیکھ رہے تھے اور زاویار کا سکون اب بھی جوں کا توں تھا۔

"جب آپ کا کوئی بھی نہیں ہے تو آپ ہمارے گھر کس رشتے سے رہ رہی ہیں؟ اور آئندہ کس حوالے سے رہنا چاہتی ہیں؟ ہمارا اور آپ کا تو کوئی تعلق ہی نہیں ہے، پھر یہاں رہنے کی وجہ؟" زاویار نے اسے زچ کر ڈالا تھا۔ کچھ نہ بن پڑا تو زاویار پہ جھپٹ پڑی تھی۔

"تم.....تم مجھے گھر سے نکالو گے؟ اپنی ماں، بہنوں کو نکالو، مجھ سے کیا تعلق ہے؟ چلے جاؤ یہاں سے، دفع ہو جاؤ۔" اس نے یکدم بھیچے

ہوئے زاویار کو اپنے ناخنوں سے نوچنے کی کوشش کی تھی، زاویار نے اس کے دونوں ہاتھ سختی سے پکڑ لیے تھے۔

''آپ کو اگر اس گھر میں رہنا ہے تو اپنا کوئی رشتہ بتانا ہوگا، ماموں زاد کزن، گیسٹ، فرینڈ یا پھر یہاں رہنا ہی نہیں چاہتیں؟''

زاویار نے چبا کر کہا تھا، اہل کو بھی تاؤ آ گیا۔ وہ قابو کرتے کرتے بھی اسے ناخنوں سے زخمی کر گئی تھی اور اس سے پہلے کہ مراد حسن اٹھ کر اسے پکڑتے وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی، اس کا رخ کمرے کی طرف تھا۔

''تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟'' مراد حسن اس کے بائیں رخسار اور گردن کی سائیڈ پہ ایک لکیر کی صورت میں سرخ نشان دیکھ چکے تھے۔

''اٹس اوکے، ایسے کاموں میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے، لیکن اس چیز سے آپ کو یہ تو اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ اس کے اندر کیا کچھ ہے؟''

زاویار اپنے رستے ہوئے زخم پہ ہاتھ لگا کر بولا۔

''یعنی تم نے یہ سب جان بوجھ کر.....'' مراد حسن نے سوال ادھورا چھوڑ دیا۔

''جی ہاں، میں نے یہ سب جان بوجھ کر کیا ہے، جب تک اسے ایموشنل نہیں کیا جائے گا، وہ اپنے اندر کا غبار نہیں نکالے گی اور جب تک اس کے اندر کا غبار نہیں نکلے گا وہ نارمل نہیں ہوگی، کہتے ہیں کہ جھیل کی گہرائی کا اندازہ لگانا ہو تو اس میں پتھر پھینکو اور اس پتھر کے ڈوبنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جھیل واقعی گہری ہے۔''

''آپ یقیناً میری بات کو سمجھ گئے ہوں گے؟'' زاویار ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر اپنے رخسار اور گردن پہ تھپتھپانے لگا تھا، مراد حسن اسے سرتاپا گہری اور توصیفی نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔

''تمہاری طرح اچھے طریقے سے سمجھانے والا ہو تو کون نہیں سمجھے گا؟'' مراد حسن کا لہجہ دھیما تھا۔ زاویار مسکرا دیا تھا۔

''تھینک یو۔''

''بیٹا! تھینکس تو مجھے کہنا چاہیے۔ تم نے اس کی اتنے دنوں کی چپ توڑ ڈالی۔''

''ارے نہیں ماموں تھینکس کیسا؟ وہ آپ کی بیٹی ہی نہیں ہماری کزن بھی تو ہے؟ اسے زندگی کی طرف لانے کے لیے ہم کو ہی کوشش کرنا ہوگی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا تم واقعی اتنے بڑے اور سمجھدار ہو گئے ہو؟'' مراد حسن بے یقین سے تھے۔

''جسٹ فار یور کائنڈ انفارمیشن ماموں جی! سمجھدار تو میں بچپن سے ہی ہوں، البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں اب واقعی بڑا ہو گیا ہوں۔''

اس نے مراد حسن کے کندھے پہ بازو پھیلاتے ہوئے کہا تھا اور مراد حسن اس کے انداز پہ ہنس پڑے تھے۔

☆☆☆

شاہینہ بیگم نے شہریار کی شادی کے لیے شاپنگ شروع کر دی تھی، دلہن کی جیولری انہوں نے پہلے ہی بنوا رکھی تھی، لہنگا وغیرہ دلہن کے ساتھ لے جا کر پسند کروایا تھا۔ البتہ باقی کے ڈریسز شہریار اور عینی نے پسند کیے تھے پھر شہریار کا کمرہ نئے سرے سے سیٹ کروایا گیا تھا۔ پورے گھر کی صفائی

ستھرائی بھی ہو گئی تھی۔شادی کی تاریخ قریب آ رہی تھی۔سبھی کو شادی کے لیے اپنی اپنی تیاریوں کی فکر تھی جبکہ مراد حسن کو اپنی بیٹی امل کی طرف سے فکر تھی،جو ہمہ وقت اپنے کمرے میں ہی بند رہتی تھی،بالکل خاموش اور چپ،نہ بولتی تو پہروں نہ بولتی لیکن اگر مشتعل ہو جاتی تو پھر اول فول بکتے ہوئے گالیاں دینے سے بھی گریز نہیں کرتی تھی اور اپنی ہذیانی حالت میں وہ یہ بھی نہیں دیکھتی تھی کہ سامنے مراد حسن ہے یا کوئی اور اس کی گالیاں سب کے لیے وہی تھیں اس میں چھوٹے اور بڑے کا کوئی فرق نہیں تھا۔

اور اس کی یہی ذہنی ابتری مراد حسن کی زبان کو تالے لگائے ہوئے تھی،وہ ہر وقت سوچ میں گم اور تشویش کے شکنجے میں جکڑے نظر آتے تھے،انہیں امل کو نارمل زندگی کی طرف لانے کا کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور اسی کو سوچتے ہوئے وہ ہر وقت الجھے ہوئے نظر آتے تھے۔

''آپ کسی سائیکاٹرسٹ سے مشورہ کیوں نہیں کرتے؟'' شاہینہ بیگم ان کے لیے چائے کا کپ لے کر آئیں تو ان کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

''سائیکاٹرسٹ؟'' مراد حسن نے چونک کر سر اٹھایا۔

''دراصل امل پاگل نہیں ہے،بس اسے ذہنی اور جسمانی ٹارچر نے خوف زدہ اور کچھ بدمزاج بنا دیا ہے۔ابھی ہوئی ہے وہ بڑے چھوٹے اور اچھے برے کی تمیز کرنا نہیں آتا،کیونکہ یہ کام اسے سکھایا ہی نہیں گیا۔اسکی سوچیں اور خیالات کسی ایک سمت میں نہیں رہتے،کبھی نارمل ہو جاتے ہیں،کبھی ابنارمل،آپ ایک بار اس کا چیک اپ ضرور کروائیں،کچھ پتا تو چلے گا نا اس کے بارے میں کہ آخر اس کا حل کیا ہے؟'' شاہینہ نے کافی سکون اور تحمل سے ان کو سمجھایا تھا اور مراد حسن کو واقعی ان کا آئیڈیا بہتر لگا تھا۔

''تو پھر میں اسے کل ہی ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں؟''

''آپ پریشان نہ ہوں،شہریار سے کہہ دیتی ہوں وہ ٹائم لے لے گا۔'' شاہینہ بیگم نے ان کی مشکل حل کر دی۔

☆☆☆

شہریار کی مایوں کی رسم ہوئی، پھر شادی ہوئی، بارات گئی، دلہن گھر آئی، رسمیں اور ہنگامے ہوتے رہے، یہاں تک کہ ولیمہ بھی ہو گیا لیکن اہل نے سب کے اصرار کے باوجود باہر جھانک کر بھی نہیں دیکھا تھا بس کھڑکی نیم وا کیے چوری چھپے لان میں ہونے والے فنکشنز اور ان کی ارینج منٹ دیکھتی رہی اس کے لیے یہ سب نیا بھی تھا اور دلچسپ بھی لیکن خود میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ باہر ان کے پاس جا کر بیٹھتی اور باتیں کرتی، وہ سب لوگوں کی نظروں کا مرکز نہیں بن سکتی تھی اس کے اندر اتنا اعتماد ہی نہیں تھا۔

اور مراد حسن اندر ہی اندر جلتے کڑھتے رہے اور اس وقت شکر ادا کیا جب وہ مقررہ ٹائم پہ بمشکل بہلا پھسلا کر اسے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے کر گئے۔ زاویار ہی انہیں ڈراپ کر کے گیا تھا لیکن جب انہیں لینے کے لیے آیا تو وہ فکر مند سا ہو گیا تھا۔ مراد حسن نڈھال اور تھکے تھکے سے لگ رہے تھے تاہم اہل پہلے جیسی کیفیت میں ہی تھی، بے تاثر، سپاٹ.....

گھر پہ بھی سبھی نے پوچھا تھا، لیکن وہ کچھ نہ بول سکے اور ان کی اسی چپ میں ایک ہفتہ اور گزر گیا۔ وہ ایک بار پھر سائیکاٹرسٹ کے پاس جا پہنچے، اب کی بار وہ اکیلے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر کے ساتھ کچھ مشورہ کرنا تھا کچھ بتانا تھا اور کچھ پوچھنا تھا اور بالآخر ان کی چپ کا عقدہ بھی کھل ہی گیا۔

ڈاکٹر نے کیا کہا؟ اور انہوں نے کیا سوچا تھا؟ یہ سب ایک دن زبان پہ لانا تو تھا ہی!

☆☆☆

وہ مدھم آواز میں میوزک سنتے ہوئے کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھے جب دروازے پہ دستک ہوئی۔

”یس کم ان۔“ وہ آہستگی سے بولا۔

”بزی ہو؟“ مراد حسن کی آواز پہ زاویار چونکا تھا اور پھر فوراً ہی کتاب رکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔

”ماموں آپ؟ آیئے بیٹھیے۔“ اس نے آگے بڑھ کے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور کمرے کی لائٹس بھی جلا دیں، وہ صرف لیمپ آن کیے بیٹھا تھا۔

”ماشاء اللہ! بیڈروم تو بہت اچھا سیٹ کیا ہے؟“ انہوں نے سراہا، وہ پہلی بار اس کے بیڈروم میں آئے تھے۔

”تھینک یو۔“ وہ مسکرا دیا۔

”بیٹھو تم بھی، کھڑے کیوں ہو؟“ وہ صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

”چائے منگواؤں آپ کے لیے؟“

”میں مہمان تو نہیں ہوں بیٹا!“

”اس وقت آپ میرے بیڈروم میں میرے مہمان ہی ہیں۔“ زاویار نے ہنستے ہوئے کہا۔

”میں اس وقت مہمان نہیں، ایک سوالی ہوں بیٹا! جھولی پھیلانے آیا ہوں، چاہو تو خیرات ڈال دو، چاہو تو خالی لوٹا دو۔“ مراد حسن بے ساختہ ہی کہہ گئے بغیر کسی تمہید کے۔ زاویار کو حیرانی ہوئی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"میں جو بھی کہہ رہا ہوں اسے سمجھنے کی کوشش کرنا زاویار! میں ایک باپ ہوں، میں ہر لحاظ سے پرفیکٹ اور مضبوط ہوں، لیکن بیٹی کے معاملے میں ہار چکا ہوں۔ میں ایک زیب النساء سے بچ کے بھاگا تھا لیکن خدا نے میرے سامنے دوسری زیب النساء لا کر کھڑی کر دی ہے اور اب کی بار میں بھاگ نہیں سکتا کیونکہ یہ میری بیٹی کا معاملہ ہے۔ اسے اس کے حال پہ نہیں چھوڑا جا سکتا لیکن اس بہتری میں نہ تو زیب النساء کوئی کردار ادا کر سکتی ہے اور نہ ہی میں کر سکتا ہوں کیونکہ وہ ہم دونوں سے بدظن اور متنفر ہے اب اگر میں اسے اپنی محبت یا موجودگی کا یا تحفظ کا احساس دلاؤں بھی تو وہ اس چیز کو سرسری سا لے گی۔ البتہ اگر یہی محبت، اپنائیت یا تحفظ کا احساس کوئی دوسرا اسے دے تو وہ بڑی جلدی اثر لے گی۔ ڈاکٹر کی نظر میں یہ پیار محبت، اپنائیت یا تحفظ، شریک حیات کی صورت میں دے سکتا ہے۔"

مراد حسن نے کہتے ہوئے شرمندگی سے سر بھی جھکا لیا تھا۔ اپنی بے بسی پہ لہجہ نم ہونے لگا تھا۔

"آپ کا مطلب ہے اہل کی شادی؟" زاویار کو حیرت ہوئی۔

"لیکن ماموں اسکی ایج؟ اس کی ذہنی حالت بھی تو اس کی ایج کے مطابق نہیں ہے نا؟ انیس سال کی ہو چکی ہے لیکن اس کی حرکتیں......"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گیا۔

"تو آپ کیا چاہتے ہیں؟" زاویار کھٹک چکا تھا، لیکن پھر بھی تصدیق چاہی تھی۔

"تم خود سمجھدار ہو بیٹا! لوگ بیٹی والوں کے گھر سوالی بن کر جاتے ہیں لیکن میں ایسا بدنصیب باپ ہوں کہ خود تمہارے پاس سوالی بن کے آیا ہوں۔" مراد حسن واقعی بہت کمزور اور نڈھال لگ رہے تھے۔ زاویار یکدم ٹھٹک کے رہ گیا وہ مراد حسن کے سوال کا مفہوم سمجھ چکا تھا۔ مراد حسن اپنی بیٹی کے لیے اس کی زندگی مانگنے آئے تھے۔

"میں یہ بات شاہینہ سے بھی کہہ سکتا تھا لیکن میں جانتا ہوں زیب النساء نے جو کچھ اس پہ الزامات لگائے تھے، اس کے بعد زیب النساء کی بیٹی کو اپنی بہو بنانا اس کے لیے اتنا آسان نہیں ہوگا اور ویسے بھی وہ ایک ماں ہے اور کسی بھی جوان بیٹے کی ماں یہ نہیں چاہے گی کہ اس کا بیٹا کسی ایسی لڑکی سے شادی کرے جو اس کے جوڑ کی نہ ہو۔"

مراد حسن حقیقت پسندی سے کام لے رہے تھے۔ زاویار چپ بیٹھا تھا، لیکن اس کے دل و دماغ آندھیوں کی زد میں تھے۔ وہ اس سے جو کچھ چاہتے تھے وہ اتنا آسان نہیں تھا۔ زاویار کے لیے بہت مشکل تھا، وہ اتنی آسانی سے کیسے حامی بھر لیتا؟

"دیکھو زاویار! شہریار کی شادی ہو چکی ہے، اسفر ابھی چھوٹا ہے اور پڑھ رہا ہے، وہ خود اتنا لاابالی ہے کہ اہل کو ہینڈل نہیں کر سکتا، ایسے میں صرف تم ہی آخری امید نظر آتے ہو، جو میری اس کوتاہی کو سدھار سکتے ہو تم سمجھدار اور متحمل مزاج ہو مجھے یقین ہے کہ تم اسے بہت جلد ہینڈل کر لو گے۔" مراد حسن کی بات پہ زاویار گہری سانس خارج کرتا ہوا بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت مل سکتا ہے؟" لہجہ بے حد سپاٹ تھا۔

"ہاں بیٹا! کیوں نہیں، تم سوچو، ضرور سوچو، دل رضامند نہ ہو تو انکار بھی کر سکتے ہو، وہ اگر بیٹی ہے تو تم بیٹے ہو میں تم پر کوئی فیصلہ مسلط تو نہیں کر سکتا نا؟ تم جو چاہو فیصلہ کرو مجھے کوئی شکایت یا اعتراض نہیں ہوگا۔ بس جو بھی فیصلہ کرنا اپنے دل سے اور رضا سے کرنا۔" وہ کہتے ہوئے اُس کا کندھا تھپک کر کمرے سے چلے گئے تھے۔

☆☆☆

"تم یہ شادی کرو گے اور ضرور کرو گے۔" شاہینہ بیگم نے یہ کہہ کر زاویار کے ڈانواں ڈول خیالات اور سوچوں کو باندھ دیا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی ماں اور اپنے ماموں کا مان نہ توڑ سکا اور فیصلے کا اختیار ماں کو سونپ دیا تھا۔

مراد حسن، شاہینہ بیگم کے ممنون ہوئے جا رہے تھے۔ چار روز بعد مراد حسن کی واپسی کے لیے فلائٹ تھی۔ اس لیے نکاح کی تقریب بڑی جلدی میں ارینج کی گئی تھی۔

نکاح سے پہلے زاویار کو سائیکاٹرسٹ کی طرف سے کال موصول ہوئی تھی ال کے ڈاکٹر صاحب اس سے ملنا چاہتے تھے۔ اس لیے نکاح سے چند گھنٹے پہلے ہی اسے فراغت ملی تھی اور وہ ان کے کلینک چلا آیا تھا۔ کلینک سے نکلا تو شام گہری ہو چکی تھی اور گھر پہ نکاح کی تیاریاں عروج پہ تھیں۔

وہ گھر پہنچا تو اسمی، مینی، شہریار اور تحرین بھابھی نے گھیر لیا۔

"کیا مشورہ دیا ڈاکٹر نے؟" تحرین بھابھی کا انداز ذومعنی تھا۔ زاویار نہ چاہتے ہوئے بھی جھینپ گیا تھا۔

"مجھے اندر تو جانے دیں، کیا باہر ہی گزار رکھنا ہے؟" اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔

"ڈاکٹر کی باتیں سن سن کر تھک گئے ہو کیا؟"

"ڈونٹ وری ڈیر! یہ باتیں اور یہ مشورے تو اب تم نے ساری زندگی سننے ہیں۔" تحرین بھابھی کے مذاق پہ زاویار نے چونک کر ان کو دیکھا، ان کے چہرے پہ تمسخر ناچ رہا تھا۔ شہریار کو بھی بیوی کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

"چلو زاویار، شاور لے کر تیار ہو جاؤ، مہمان آنے والے ہیں۔" شہریار نے بات بدلی۔

"بھائی میرا نیگ؟" مینی اس کے پیچھے لپکی۔

"اور میرا بھی" اسمی بھلا کیوں پیچھے رہتا؟

"جو شہریار سے نیگ لیے تھے، کیا وہ اتنی جلدی ختم ہو گئے؟" زاویار نے گھورا۔

"وہ تو ان کی شادی کے تھے۔" مینی جھنجلائی۔

"تو میری شادی کب ہو رہی ہے؟ یہ تو صرف نکاح ہو رہا ہے اور نکاح کا کوئی نیگ نہیں ہوتا۔" اس نے ان دونوں کو ٹالا۔ "دیکھتے ہیں کہ کیسے نہیں ہوتا؟" وہ دونوں دھمکی دے کر پلٹ گئے اور زاویار اپنے کمرے میں آ گیا۔

☆☆☆

اہل شادی کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ شادی کا نام سنتے ہی بدک گئی تھی، اس کا انداز خوف زدہ سا تھا، لیکن ان لوگوں کو بھی اسے ہینڈل کرنے کا فن آ گیا تھا اور یہ فن زاویار نے ہی ایجاد کیا تھا۔ جب اس نے شادی سے انکار کیا تو شہریار نے اسی انداز میں دھمکی دی تھی۔

"اگر تم شادی نہیں کرو گی تو تمہیں واپس اپنی ممی کے پاس جانا ہوگا، ہم تمہیں اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتے۔ فیصلہ کر لو، تمہیں شادی کرنی ہے یا واپس جانا ہے؟" شہریار سختی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا تھا لیکن اہل واپس جانے سے اس قدر خوف زدہ تھی کہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر لپکتی ہوئی اس کے پیچھے چلی آئی۔

"مم...... میں تیار ہوں، میں شادی کروں گی۔ میں واپس نہیں جاؤں گی۔ مجھے ڈر لگتا ہے، وہ...... وہ مجھے بہت زیادہ مارتی ہیں۔" وہ شہریار کی دھمکی سے ڈری ہوئی تھی اور بے ساختہ رونے لگی۔

"ارے نہیں گڑیا اور دوست، کوئی تمہیں واپس نہیں بھیجے گا تم یہیں رہو گی ہمارے پاس۔" شہریار نے اس کا سر تھپک کر تسلی دی اور شاہینہ بیگم کو اس کے پاس بھیج دیا تھا۔ کچھ دیر بعد بیوٹیشن بھی آ گئی، اہل اتنی ڈری ہوئی تھی کہ ان لوگوں نے جو بھی کہا وہ مانتی چلی گئی۔

☆☆☆

زاویار کے کمرے کو کافی خوب صورتی اور نفاست سے سجایا گیا تھا۔ مراد حسن اور شاہینہ بیگم نے چند لوگوں کو ہی انوائیٹ کیا تھا۔ اس لیے نکاح کا چھوٹا سا فنکشن گھر پہ ہی ارینج ہو گیا تھا۔

دلہن بنی اہل کو تصویریں بنوانے اور رسمیں ادا کرنے کے بعد فوراً ہی زاویار کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تا کہ وہ اتنی دیر سے خود پہ ضبط کیے دم سادھے بیٹھی تھی۔ تھوڑا ریلیکس کر لیتی۔

لیکن کمرے میں آ کر وہ ریلیکس تو بھلا کیا کرتی الٹا اور بھی متوحش ہو گئی تھی وہ پچھلے ایک ماہ سے جس کمرے میں رہ رہی تھی اب اس کمرے سے تقریباً مانوس ہو گئی تھی اور ایک مانوس جگہ کو چھوڑ کر اجنبی اور انجان جگہ پہ آنا بہت عجیب لگ رہا تھا۔ وہ کافی سہمی ہوئی تھی۔

اور اس کے اسی خوف و ہراس کے دوران ہی زاویار کمرے میں داخل ہوا تھا جسے دیکھتے ہی وہ وحشی ہرنی کی مانند اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔

زاویار دروازہ بند کر کے پلٹا تو اسے بیڈ کی دوسری طرف کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"تم نے...... تم نے دروازہ کیوں بند کیا؟ تم مجھے مارنا چاہتے ہو نا؟ لیکن مجھے مارنے سے پہلے سوچ لینا کہ میں بھی تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" اس نے بیڈ کی دوسری سائیڈ پہ رکھا لیمپ جھٹکے سے اٹھا لیا تھا لیمپ کا اوپر والا حصہ لہرا کر دور جا گرا۔ زاویار پہلے قدم پہ ہی ایسی صورت حال دیکھ کر اندر سے بجھ کے رہ گیا (کیا زندگی کی شروعات ایسے ہوتی ہے؟) اس نے دل میں سوچا اور اگلے ہی پل سر جھٹک دیا۔

"میں تمہیں مارنے نہیں، تم سے باتیں کرنے آیا ہوں۔" اس نے صبر اور تحمل کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا تھا۔

"باتیں؟" وہ آنکھیں پھیلا کر بولی۔

"ہاں باتیں، تم سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔" وہ اپنے لہجے اور انداز کو فریش اور خوشگوار رکھتے ہوئے بولا۔

''لیکن تم نے دروازہ کیوں بند کیا؟'' اس کی سوئی دروازے پہ اٹکی ہوئی تھی۔

''تاکہ ہماری باتوں کے درمیان کوئی تیسرا نہ آ جائے۔'' زاویار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیسی باتیں کرنا چاہتے ہو؟'' اس نے گھورتے ہوئے پوچھا، انداز مشکوک تھا۔

''تم بیٹھو گی تو بتاؤں گا نا!'' اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں، تم یونہی بتا دو۔'' وہ بیٹھنے کو تیار نہیں تھی۔ وہ اسے بہلا پھسلا رہا تھا۔

''تم مجھے مارو گے تو نہیں؟'' اس نے یقین کرنا چاہا۔

''میں تمہیں کیوں ماروں گا بھلا؟ تم تو میری اتنی اچھی اور پیاری سی بیوی ہو۔''

زاویار نے قریب آتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے اور لیمپ پکڑ کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

''بیوی؟'' وہ چونکی۔

''ہاں یار بیوی...... جانتی ہو نا بیوی کیا ہوتی ہے؟'' زاویار نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بیڈ پہ بٹھا دیا اور خود اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''کیا ہوتی ہے؟''

''اس کے دکھ سکھ کی ساتھی ہوتی ہے اور اپنے شوہر کی محبت ہوتی ہے۔'' وہ اس کی بے یقین اور خوف زدہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''تو پھر میں کیا کروں؟'' اس نے بھولپن سے کہا، زاویار سر پیٹ کر رہ گیا۔

''تم کچھ نہ کرو، لیکن مجھے تو کرنے دو۔''

''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' معصومیت کی اور بے وقوفی کی انتہا تھی۔

''محبت کرنا چاہتا ہوں تم سے۔''

''لیکن ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تم باتیں کرنا چاہتے ہو؟ اب یہ محبت کہاں سے آ گئی؟'' اس نے اسے خفگی سے دیکھا تھا اور زاویار کا اس کے اس دیکھنے پہ ایمان ڈول گیا تھا، سامنے ایک لڑکی بیٹھی تھی انیس سال کی دوشیزہ۔ اس کے جذبات میں ابال آنے میں لمحہ ہی لگا تھا۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' اس نے اس کا بازو ہلایا اور اس کے ہاتھ کے لمس نے زاویار کو ہوش کی دنیا میں کھینچ دیا اسے ہر لحاظ سے صبر سے کام لینا تھا۔

''دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔'' زاویار نے اپنے اندر کے مرد کو مارتے ہوئے بات بدل ڈالی تھی۔

''میں خوب صورت لگ رہی ہوں؟'' اسے یقین نہ آیا۔

''آف کورس۔''

''لیکن ممی تو کہتی ہیں کہ میں کلموہی اور بدشکل ہوں، مجھے تو دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا اسی لیے تو پاپا بھی چھوڑ کر چلے گئے؟'' اس کے انداز میں افسردگی اتر آئی۔

"ارے نہیں یار! وہ تم کو غصے میں اس طرح کہتی ہوں گی تم بہت پیاری ہو۔"

"سچ کہہ رہے ہو تم؟" وہ اشتیاق سے بولی۔

"آئینہ دیکھ لو۔" اس نے اشارہ کیا اور ال فوراً اٹھ کے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی اور یہی اس کا مزاج تھا، پل میں تولہ پل میں ماشہ، کبھی نرم ہو جاتی، کبھی سخت، کبھی سہمی ہوئی اور کبھی جنونی اور کبھی کبھی تو وہ بالکل نارمل لوگوں کی طرح ری ایکٹ کرتی تھی۔

"اتنی اچھی تو نہیں لگ رہی۔" اس نے منہ بنایا۔

"لیکن مجھے تو بہت اچھی لگ رہی ہو۔" اس نے ال کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے اور وہ یکدم چونک گئی۔

"ٹیک اٹ ایزی یار! میں تمہارا شوہر ہوں، کوئی غیر نہیں۔" اس نے ال کو تقریباً اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

"لیکن تم؟"

لاشعوری طور پر ال کو شرم محسوس ہوئی تھی اور اس شرم کا عکس زاویار نے بھی اس کے چہرے پہ محسوس کیا تھا۔ گویا وہ جذبات و احساسات سے بے بہرہ نہیں تھی۔

"باتیں اور محبت دونوں ہی چیزیں زندگی کے لیے بہت اہم ہوتی ہیں، اس لیے آج کی رات ہم یہی دو کام کریں گے۔" زاویار نے اسے اپنی باہوں میں بھینچا تو وہ کسمسا کے رہ گئی اور ان دونوں کی اسی آنکھ مچولی میں رات کیسے گزری کچھ پتا ہی نہ چلا۔ پھر دوسری بات کیے بغیر وہیں کی وہیں اوندھی لیٹ گئی تھی اس کے زیورات اور لہنگا اپنی ناقدری پہ رو رہے تھے، زاویار نے عروسی لباس میں گٹھڑی کی صورت بیڈ پہ سوئی ال کو دیکھا اور لیمپ بجھا کر کروٹ بدل لیا تھا۔

☆☆☆

صبح زاویار نے بمشکل اسے جھنجوڑ کر اٹھایا تھا۔

"کیا ہے؟ چھوڑو کمبل، مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس نے زاویار کے اوپر سے کمبل کھینچ لیا۔

"ارے دو پہر ہو گئی ہے، اٹھ جاؤ اب، ہمیں نیند میں ٹائم کا پتہ ہی نہیں چلا۔" اس نے کمبل کھینچ کر دور پھینک دیا لیکن امل نے اپنے لہنگے والا دوپٹہ اپنے اوپر پھیلا لیا۔

"امل پلیز اٹھ جاؤ، سب کیا سوچ رہے ہوں گے؟" زاویار کو سوچ کر ہی خفت ہونے لگی تھی۔

"ساری رات جگا کر اب سونے بھی نہیں دیتے؟" وہ یکدم چیخی اور زاویار نے یکدم ہی اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"آہستہ بولو، یہ کیا کہہ رہی ہو؟" وہ سرزنش کرنے والے انداز میں بولا۔

"کیوں بولوں آہستہ؟ تم مجھے سونے کیوں نہیں دیتے؟ نہ رات کو سونے دیا، نہ اب؟" وہ تلملاتی ہوئی اٹھ بیٹھی تھی اور زاویار کا ہاتھ پرے ہٹا دیا تھا۔

"پلیز امل آہستہ بات کرو، اس طرح بات کرنا اچھا نہیں لگتا۔" زاویار نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کیسے اچھا لگتا ہے؟" وہ بےزاری سے بولی۔

"جیسے میں کہوں ویسا کیا کرو۔"

"کیوں؟ تم تھانے دار ہو کیا؟" وہ تنک کر بولی۔

رات اتنی دیر اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے زاویار نے اس کا خوف دہراس کافی حد تک زائل کر دیا تھا۔ اب وہ اس وقت اس کی حرکتوں سے زچ ہو رہا تھا۔

"اب کیا چاہتے ہو؟" وہ لاپروائی سے بولی۔

"کپڑے چینج کر لو۔"

"کیوں؟"

"یار! تم نے یہ لہنگا کل سے پہن رکھا ہے۔ اب نئے کپڑے پہن لو، میں باتھ روم میں لٹکا آیا ہوں۔" زاویار نے ایک سعادت مند اور خدمت گار شوہر ہونے کا ثبوت دیا۔

"ٹھیک ہے۔ خدا کا شکر تھا کہ وہ مان گئی تھی۔" وہ باتھ روم میں گئی تو زاویار اس کے زیورات اٹھا اٹھا کر دراز میں ڈالنے لگا، وہ کپڑے چینج کر کے آئی ہی تھی کہ ثمرین بھابی نے بھی بلا بول دیا ان کے ساتھ بیٹی اور بیٹی کی دو تین فرینڈز بھی تھیں۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو؟" ثمرین بھابی نے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

امل نے بے ساختہ شیشے کی طرف دیکھا۔ رات کو وہ بھی تو اسے اسی طرح پیاری کہہ رہا تھا؟

"رات کیسی گزری؟" ثمرین بھابی نے اب معنی خیز انداز سے پوچھا تھا۔ امل کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے؟ وہ ہونقوں کی طرح دیکھنے لگی۔

''لگتا ہے حواس ٹھکانے پہ نہیں ہیں؟'' عینی کی ایک دوست نے مداخلت کی۔

''اچھا یہ بتاؤ زاویار نے تم سے سب سے پہلی بات کیا کی؟ کیا کہا تم سے؟'' عنبرین بھابھی اس کی بے وقوفوں جیسی شکل دیکھ کر لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

''بتا دوں؟''

''ہاں، ہاں بتا دو، ہر لڑکی بتاتی ہے، سہاگ رات کی باتیں تو سنہری باتیں ہوتی ہیں۔''

اس نے کہا ''میں تمہیں مارنے نہیں، تم سے باتیں کرنے آیا ہوں۔'' اہل نے معصومیت سے بتا دیا۔

لیکن وہ لڑکیاں اس کی بات پہ ہنس پڑی تھیں، اہل اندر ہی اندر نروس ہونے لگی۔

''اوکے، اوکے! اب بتاؤ کہ زاویار نے سوتے ہوئے سب سے آخری بات کیا کہی؟'' عنبرین بھابھی کو شاید اس کا مذاق اڑا کر مزہ آ رہا تھا، اہل نے چہرہ جھکا لیا، اسے ان سب سے الجھن ہونے لگی تھی۔

''بولو نا اہل! زاویار نے سونے سے پہلے کیا کہا؟'' انہوں نے اصرار کیا تھا۔

''سو جاؤ، آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔'' اہل آہستگی سے بولی، لیکن ان کا قہقہہ فلک شگاف قسم کا تھا، سبھی لڑکیاں لوٹ پوٹ ہو گئی تھیں، عینی بھی اپنی ہنسی نہیں روک سکی اور ان کی ہنسی نے اہل کا میٹر گھما کے رکھ دیا تھا۔

''اپنے منہ بند کرو، دفع ہو جاؤ یہاں سے، سب یہاں تماشہ دیکھنے آئی ہو؟ منہ پھاڑ پھاڑ کے کیوں ہنس رہی ہو؟ وہ یکدم بیڈ سے کھڑی ہو گئی تھی اور ان سب کی ہنسی کو بریک لگ گئے تھے، عینی کا چہرہ خفت سے اور عنبرین کا چہرہ غصے سے لال پڑ گیا تھا۔

''اہل بیٹا کیا ہوا ہے؟ تم ٹھیک تو ہو نا۔'' شاہینہ اس کی آواز سن کر ہی کمرے میں آئی تھیں۔

''میں ان کے سر پھاڑ دوں گی، یہ ہنستی ہیں میری باتوں پہ۔'' وہ ان کی طرف جھپٹی، لیکن شاہینہ بیگم اور عینی نے اسے سنبھال لیا۔

''بیٹا شادی میں ہنسی مذاق تو ہوتا ہی ہے۔''

''میری کوئی شادی نہیں ہوئی تو کوئی مذاق کیوں اڑائے گا؟'' وہ پوری قوت سے چیخی تھی۔

''ارے نہیں بیٹا، کوئی تمہارا مذاق نہیں اڑا رہا، وہ تو تمہیں جان بوجھ کر تنگ کر رہی تھیں۔''

''میں پاگل ہوں کیا، جس کو یہ سب تنگ کرنے کے لیے آئی ہیں؟'' وہ ان سب کو نوچنے کے لیے دوڑ رہی تھی۔

''پاگل نہیں ہو تو اور کیا ہو؟'' عنبرین بھابھی غصے سے اسے دیکھ کر طنز کا تیر پھینکتی ہوئی وہاں سے پاؤں پٹخ کر نکل گئیں۔

شاہینہ بیگم نے بڑی بہو کو چونک کر دیکھا تھا، اس کے تیور خاصے ناگوار قسم کے تھے۔

''عینی تم جاؤ اور زاویار کو بھیجو۔'' انہوں نے اشارہ کیا۔

''تم لوگ بھی آ جاؤ'' عینی باقی لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے کر کمرے سے چلی گئی۔

☆☆☆

مراد حسن واپس امریکہ چلے گئے تھے، لیکن جانے سے پہلے وہ بہت اداس اور پریشان بھی تھے۔ انہوں نے شاہینہ اور زاویار کو اہل کی ذمہ داری سونپتے ہوئے دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اس کا خیال رکھنے کی درخواست اور التجا کی تھی اور زاویار نے انہیں پوری پوری تسلی دی تھی کہ وہ اہل کے معاملے میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کرے گا۔ انہیں کبھی شکایت نہیں ہوگی۔ زاویار کے اس انداز اور تسلی پہ مراد حسن کو ابرار سکندر یاد آ گیا تھا۔ جس نے ان کی بہن سے شادی کرنے کے بعد کبھی بھی کوتاہی سے کام نہیں لیا تھا اور نہ ہی ان کو شکایت کا موقع دیا تھا اور اب ابرار سکندر کی جگہ زاویار سکندر کھڑا تھا۔ ان کی تسلی کے لیے تو یہ ہی کافی تھا وہ ابرار سکندر کا بیٹا تھا، صابر، شاکر اور مخلص۔ اس لیے گھر سے رخصت ہوتے ہوئے کچھ اداس تو تھے، لیکن اندر سے مطمئن بھی ہو چکے تھے وہ سبھی انہیں ایئر پورٹ تک ہی آف کرنے آئے تھے اور پھر رفتہ رفتہ سب کی روٹین سیٹ ہوتی گئی تھی اور اسفار نے اپنا کالج جوائن کر لیا تھا۔ شہر یار اور زاویار اپنے بزنس کو پھیلانے کے چکروں میں لگ گئے اور شاہینہ بیگم نے بینک کی جانب سے ریزائن دے کر گھر پہ اور بہوؤں پہ توجہ دینا شروع کر دیا۔

عنبرین تو اچھی خاصی اسٹائلش اور ماڈرن لڑکی تھی، اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت نہیں تھی، البتہ اہل ہر کام میں کوری تھی اور اسے ہر چیز میں توجہ اور مدد چاہیے تھی۔ شاہینہ بیگم گھنٹوں اس کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہتیں اور وہ بغیر ہوں ہاں کیے بس سنتی رہتی، موڈ خراب ہوتا تو ان کو یونہی باتیں کرتے چھوڑ کر بے مروتی سے اٹھ کر چلی جاتی تھیں، لیکن اس پہ بھی شاہینہ بیگم کو برا نہیں لگتا تھا۔

وہ جانتی تھیں کہ اہل ایسا جان بوجھ کر نہیں کرتی۔ اس وقت بھی وہ اسے اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں بٹھائے ادھر ادھر کی چھوٹی باتیں کرنے میں ہی مصروف تھیں جب عنبرین کی آواز پہ ٹھٹک گئیں۔

"اس کے ساتھ باتیں کرنے سے تو بہتر ہے آپ دیواروں سے باتیں کر لیں۔" عنبرین کے طنزیہ لہجے پہ شاہینہ بیگم کو آج دوسری بار ناگواری محسوس ہوئی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"آپ کے خیال سے ہی کہہ رہی ہوں، گھنٹوں بیٹھ کر سر کھپاتی ہیں اور نتیجہ پھر بھی صفر کا صفر ہی رہتا ہے۔" عنبرین کو اہل سے چڑ ہو چکی تھی، وہ اس روز والی ہتک بھولی نہیں تھی۔

"عنبرین اپنی حد میں رہ کر بات کرو، وہ بیمار ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم لوگ اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کرو۔" شاہینہ بیگم کے تیور بدل گئے تھے اور عنبرین فوراً سنبھل گئی۔

"مجھے بھی کیا ضرورت ہے مذاق اڑانے کی؟ مینی کی فرینڈز بھی مذاق اڑا رہی تھیں ان کو بھی جا کر منع کر دیجیے۔"

"گھر والے مذاق اڑانا شروع کرتے ہیں تو دنیا والوں کو شہ ملتی ہے۔ تم پہل نہ کرتیں تو ان کی کیا جرات تھی کہ وہ ایسا کرتیں؟"

"ہونہہ! میں نے سب کے سامنے منہ پہ مذاق اڑا لیا، اور لوگ پیٹھ پیچھے مذاق اڑاتے ہیں، بس یہ ہی فرق ہے نا؟" عنبرین نے کندھے اچکائے۔

"یہ فرق بتاتا ہے کہ تم میں اور دنیا والوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔" شاہینہ بیگم کا لہجہ تاسف لیے ہوئے تھا۔ عنبرین لاجواب ہوگئی تھی، اتنے میں فون کی بیل بجنے لگی۔

"ہیلو۔" عنبرین نے ہی کال ریسیو کی تھی۔

"بھابھی، امی کہاں ہیں؟" دوسری طرف زاویار تھا۔

"بلاتی ہوں۔" عنبرین نے ریسیور سائیڈ پہ رکھ دیا۔

"آپ کی کال ہے۔" عنبرین اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"ہیلو السلام علیکم امی۔"

"وعلیکم السلام۔ خیریت؟"

"جی خیریت ہی ہے وہ دراصل آج اہل کے چیک اپ کی ڈیٹ ہے اور میں بھائی کے ساتھ ایک میٹنگ میں ہوں لیٹ ہو جاؤں گا۔ آپ ایسا کریں کہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔ زاویار اس کے چیک اپ کے لیے خاصا متفکر اور کانشس لگ رہا تھا۔ لیکن میں کسی کام میں مصروف ہوں۔" شاہینہ بیگم نے جان بوجھ کر کہا۔

"پلیز امی، اہل کا چیک اپ ہر کام سے زیادہ اہم ہے، آپ باقی کام بعد میں کر لیجیے گا۔" وہ جس طرح جھنجلا کے بولا۔ شاہینہ بیگم نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔

"اگر اتنا ہی اہم ہے تو تم خود کام چھوڑ کے آجاؤ۔" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"چپ کیوں ہو گئے؟"

"کچھ نہیں میں خود آ رہا ہوں۔"

یہ سن کر امی یکدم دل کھول کے ہنس پڑی تھیں۔

"میں یہ ہی تو دیکھنا چاہتی تھی کہ تم اپنی بیوی کو ترجیح دیتے ہو یا بزنس کو لیکن تمہارا اپنی بیوی کو ترجیح دینا اچھا لگا۔" انہوں نے اسے سراہا اور زاویار بھی مسکرا دیا۔

☆☆☆

زاویار کافی دیر سے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا اپنے آفس کا کچھ کام نپٹا رہا تھا اور اہل بھی کافی دیر سے بیڈ پہ بیٹھی اپنا ہاتھ تھوڑی کے نیچے ٹکائے بڑی محویت سے اسے ہی دیکھ رہی تھی، ایسے کہ اسے دیکھتے ہوئے پلک بھی نہیں جھپک رہی تھی۔ کمرے میں لیمپ آن تھا یا پھر کمپیوٹر کے مانیٹر کی روشنی تھی، جو سیدھی زاویار کے چہرے پہ پڑ رہی تھی، نیلی روشنی میں زاویار کا چہرہ بھی نیلا نیلا لگ رہا تھا اور یونہی کی بورڈ پہ تیزی سے انگلیوں کو حرکت دیتے ہوئے اس کی نظر اہل پہ پڑی تو وہ یکدم ٹھٹک گیا تھا۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' اس نے چیئر کو اس کی طرف گھماتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں۔'' وہ بے ساختہ بولی اور اس کی بے ساختگی پہ زاویار کا دل دھڑک اٹھا، وہ کب سے اسے فراموش کیے بیٹھا تھا۔ لیکن وہ ایک لمحے میں اس کی ساری لاتعلقی اور فراموشی کو درہم برہم کر گئی تھی۔

''کیوں؟''

''تم کمپیوٹر کیسے چلا لیتے ہو؟'' اس نے اپنی عقل کے مطابق سوال کیا۔

''جیسے سب استعمال کرتے ہیں، ویسے میں بھی کرتا ہوں۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''سب استعمال کرتے ہیں لیکن میں تو نہیں کر سکتی نا؟ مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا۔''

''شروع شروع میں تو کسی کو بھی نہیں آتا، سیکھنا پڑتا ہے، تم سیکھو گی؟'' زاویار نے اچانک پوچھا۔

''میں کیسے سیکھوں گی؟''

''مجھے تو ٹھیک سے انگلش بھی نہیں آتی؟'' وہ مایوسی سے بولی۔

''کوئی بات نہیں، پہلے انگلش سکھا دوں گا، پھر کمپیوٹر، زاویار کمپیوٹر کا پلگ آف کر کے اپنی چیئر گھسیٹ کر اٹھ گیا تھا۔

''اور وہ بھی سکھاؤ گے؟'' اہل کے انداز میں اشتیاق تھا۔

''وہ کیا؟''

''ارے وہ جو تم اپنی جیب میں رکھتے ہو، کیا نام ہے اس کا، ہاں موبائل۔'' اہل نے ذہن پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

''یار! سب کچھ سکھاؤں گا، سب کچھ سکھا دوں گا، یہاں تک کہ محبت کرنا بھی۔'' وہ آ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''محبت! اہل محبت کے نام سے تو واقف تھی مگر مفہوم سے نا آشنا تھی۔''

''یار! چھ ماہ ہو گئے ہیں تم سے محبت کرتے کرتے اور تمہیں ابھی تک محبت کا ہی نہیں پتا۔ افسوس کیا کہہ سکتا ہوں بھلا؟''

''تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''اور کتنا بتاؤں؟'' زاویار نے گھورا۔

''ناراض کیوں ہو رہے ہو؟ کیا میں نے کہا تھا کہ مجھ سے محبت کرو؟'' وہ الٹا اس پہ خفا ہوئی۔

''تم نے نہیں، تمہارے والد صاحب نے کہا تھا کہ تم سے محبت کروں۔'' زاویار زچ ہو کر بولا۔

''تو پھر ان پہ غصہ کرو نا۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔

''اہل......'' وہ دبے لہجے میں چبا کر بولا۔

''جی؟'' اہل نے سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔ وہ خفگی سے کچھ بھی کہے بغیر اٹھ کر اپنی جگہ پہ جا کے لیٹ گیا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا۔

"تم ناراض ہو گئے ہو؟" ال اس کے قریب آ بیٹھی۔

"نہیں تو پھر باتیں کیوں نہیں کر رہے؟"

"یار خالی باتوں میں کیا رکھا ہے؟"

"خالی باتیں۔" وہ سوالیہ دیکھنے لگی، زاویار نے صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے سر جھٹک دیا۔

"خیر چھوڑو اس چیز کو تم یہ بتاؤ موویز دیکھتی ہو؟" اس نے ال کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں......"

"کیسی موویز دیکھتی ہو؟"

"سب دیکھ لیتی ہوں۔"

"رومانٹک مووی دیکھی ہے کبھی؟" وہ شرارت سے بولا۔

"وہ کیسی ہوتی ہے؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔" زاویار نے چینل سرچ کرنا شروع کر دیا اور جس چینل پہ کوئی رومانٹک مووی نظر آئی وہیں رک گیا۔

"یہ مووی دیکھو۔" اس نے اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

"ادھر میرے قریب آ کر بیٹھو۔" زاویار نے اس کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر بیڈ کراؤن کے ساتھ تکیہ رکھتے ہوئے اس کے ٹیک لگانے کے لیے جگہ بنائی۔

"نہیں، میں ٹھیک ہوں۔" وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ہوئے بولی۔

"تم ٹھیک ہو، لیکن میں ٹھیک نہیں ہوں نا۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر ال کا بازو پکڑا اور اپنے قریب گھسیٹ لیا تھا، ال بمشکل اپنا توازن قائم رکھ پائی تھی۔

"مجھے لگتا ہے جیسے ہی میرا موڈ بدلتا ہے تم اچھی خاصی سیانی ہو جاتی ہو؟" زاویار اس کے گریز اور شرم کو محسوس کرتے ہوئے گھور کر بولا تھا۔

"تمہارا موڈ کیوں بدلتا ہے؟" ال ایسے ایسے سوال کر ڈالتی تھی کہ زاویار ہاتھ ملتا رہ جاتا تھا۔

"تم مووی دیکھو۔" اس نے بات ٹال دی اور ال ذرا پیچھے کھسک کر بیٹھ گئی۔ زاویار نے اس حرکت کو خاص نوٹ کیا تھا۔

☆☆☆

وہ لوگ ناشتے میں مصروف تھے، جب اچانک شاہینہ بیگم کی آواز ابھری۔

"او مائی گاڈ!" انہوں نے سر تھام لیا تھا۔

''کیا ہوا امی؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟'' عینی ان کے قریب تھی، اس نے تیزی سے ماں کو کندھے سے تھام لیا۔

''میں......میں ٹھیک ہوں۔''

''لیکن وہ زیب النساء......'' انہوں نے اخبار کی طرف دیکھا۔

''زیب النساء آنٹی؟'' شہریار نے حیرت سے کہا اور پھر یکدم اخبار اٹھالیا۔ سامنے ہی اسپتال کے بیڈ پہ بے ہوش پڑی زیب النساء کی تصویر چھپی تھی اور نیچے سرخی درج تھی کہ فلیٹ میں شارٹ سرکٹ کی وجہ سے آگ لگنے پہ ایک خاتون زخمی جو اس وقت سرکاری اسپتال میں ایڈمٹ ہیں اور ان کو آس پاس کے لوگوں نے فلیٹ کا دروازہ توڑ کر باہر نکالا تھا۔ لیکن اس خاتون کے بارے میں اور بھی انکشافات سامنے آ رہے ہیں۔ بقول پڑوسیوں کے وہ کافی تشدد پسند خاتون تھیں اور کسی حد تک تنہائی پسند بھی۔ شہریار اونچی آواز میں پڑھ رہا تھا اور شاہینہ بیگم کا دل ہمدردی اور رحم سے بھرتا جا رہا تھا۔ البتہ زاویار کی شکل پہ پریشانی درج تھی لیکن شکر تھا کہ اہل ابھی سو رہی تھی، اسے اس بات سے دور رکھنا ہی بہتر تھا۔

''زاویار تم مجھے اسپتال لے چلو'' شاہینہ بیگم سے رہا نہیں گیا۔

زیب النساء، شاہینہ اور مراد حسن کی ماموں زاد کزن تھی۔ ماموں اور ممانی کی اچانک وفات کے بعد ان کے اماں، ابا زیب النساء کو اپنے گھر لے آئے تھے اور چند ہی دنوں بعد انہوں نے زیب النساء کو مراد حسن سے منسوب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ شروع میں زیب النساء اتنے خوب صورت شوہر کی سنگت میں خوش رہی، لیکن پھر رفتہ رفتہ لوگوں کی نظروں نے اسے خوب صورتی اور بدصورتی کے اس ملاپ کا احساس دلانا شروع کر دیا اور یہ ہی احساس اس کی زبان کا حصہ بن گیا اور اسی احساس نے اس کی زندگی تباہ و برباد کر کے رکھ دی۔ بلکہ اپنی زندگی ہی نہیں اپنی بیٹی کی زندگی کو بھی نہیں بخشا۔ وہ اپنے اندر کا غصہ اور غبار اس پہ نکالتی رہی اور ہمیشہ اسے تختہ مشق بنائے رکھا، یہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ مراد حسن بیٹی سے ملنے چلے گئے تھے اور اسے وہاں سے نکال لائے تھے۔ شاہینہ بیگم تمام راستے سوچوں میں گم رہی تھی۔

☆☆☆

اہل کمرے میں ٹہلتے ہوئے بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی اور اندر ہی اندر جھنجلا رہی تھی، اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ نیچے جا کر عینی سے پوچھنے کا خیال آیا۔ عینی کے بیڈروم کے دروازے میں پہنچ کر اس کے قدم رک گئے تھے، وہ شش و پنج کا شکار نظر آنے لگی۔

''ارے اہل بھابھی؟'' عینی نے بیڈروم کا دروازہ کھولا تو اسے دیکھ کر خوشگوار حیرت سے چہک اٹھی تھی۔

''آیئے نا، اندر آیئے، باہر کیوں کھڑی ہیں؟'' وہ اہل کا بازو تھام کے اندر لے آئی اندر قالین پہ بیٹھا اسفی کوئی ویڈیو گیم کھیل رہا تھا۔ وہ بھی اہل کو دیکھ کر یکدم کھڑا ہو گیا۔

''السلام علیکم۔'' وہ احتراماً بولا، عینی اور اسفی اس سے چھوٹے تھے۔ عینی دو سال چھوٹی تھی اور اسفی ایک سال۔ ''بیٹھئے نا۔'' انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''نن......نہیں......وہ کچھ پوچھنے آئی تھی۔'' اہل ان دونوں سے نروس ہونے لگی۔

"جی کیا پوچھنا ہے؟" عینی بڑی تیزی سے بولی۔

"وہ میں......اس......اس کا پوچھنے آئی تھی۔" اس نے بمشکل کہا۔

"زاویار بھائی کا پوچھنے آئی ہیں؟"

"ہاں......ہاں......" اہل نے فوراً اثبات میں گردن ہلائی۔

"تو پوچھیے نا۔" عینی شرارت سے بولی۔

"کہاں ہے وہ؟" اس نے پوچھ ہی لیا۔

"او......ہو؟ اداس ہو رہی ہیں ان کے لیے؟" ان دونوں بہن، بھائی نے اک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔

"نن نہیں، وہ ابھی تک آیا نہیں اس لیے۔" اہل نے گھبرا کر وضاحت دی۔

"تو پھر جائیے وہ آ چکے ہیں، ان کی گاڑی رکنے کی آواز آئی ہے ابھی......" عینی نے اسے نوید سنائی اور اہل مزید کچھ بھی کہے بغیر سرعت سے اس کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں پہنچی تو زاویار کو دیکھ کر ٹھہر گئی تھی، وہ بیڈ پہ بیٹھا نیچے جھک کر اپنے شوز لیس کھول رہا تھا۔

"کہاں تھے تم؟ اتنی دیر سے کیوں آئے؟" اہل کا بے ساختہ سا سوال زاویار کو ٹھٹکنے پہ مجبور کر گیا، وہ یکدم سیدھا ہوا، وہ آنکھوں میں تحیر لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ کھلے شوز میں ہی اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"بولو؟ کیا پوچھ رہی تھیں تم؟" اس نے اہل کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، اہل اسے گھورنے لگی۔

"اتنی دیر سے کیوں آئے ہو؟" لہجہ خفگی بھرا تھا۔

"تمہیں میرا انتظار تھا؟"

"میں تو روز تمہارا انتظار کرتی ہوں۔" انداز میں معصومیت اور بے نیازی تھی۔

"تو بتاتی کیوں نہیں ہو؟"

"بتانے سے کیا ہوگا؟"

"میں جلدی آ جایا کروں گا۔"

"تو پھر کام کون کرے گا؟"

"کام بھاڑ میں جائے۔"

"کام نہیں کرو گے تو کھاؤ گے کیسے؟"

"کھانے کی جگہ تمہیں کھا لوں گا۔"

"مجھے؟"

"ہاں تمہیں۔" وہ اسے گہری اور بھرپور نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پہ جھکا، لیکن اچانک ہونے والی دستک نے اس کی خواہش کو انتہائی بے دردی سے روند ڈالا تھا۔ وہ یکدم بھنا گیا۔

"کون ہے؟" اس نے بمشکل اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں ہوں یار!" شہریار کی آواز پہ زاویار کو اپنا آپ مزید کمپوز کرنا پڑ گیا۔ اعصاب جھنجلائے ہوئے تھے۔ اہل بے نیازی سے جا کر بیڈ پہ بیٹھ گئی اور ٹی وی آن کر لیا۔

"جی بھائی؟" اس نے دروازہ کھولتے ہوئے اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

"کیا بات ہے؟ اتنے تھکے تھکے اور بیزار کیوں ہو رہے ہو؟" شہریار اس کی بیزاری کو تھکن پہ محمول کیا۔

"کچھ نہیں۔ بس چینج کرنے جا رہا تھا۔"

"اوہ...... وہ امی، زیب النساء آنٹی کو پوچھ رہی ہیں کہ اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟"

شاہینہ بیگم صبح اسپتال گئی تھیں اور زیب النساء نے انہیں دیکھ کر وہ ہنگامہ مچایا کہ پورا اسپتال تقریباً سر پہ اٹھا لیا تھا۔ انہوں نے کسی کا بھی خیال کیے بغیر شاہینہ بیگم کو گالیاں بکنا شروع کر دیا اور سب کے سامنے ماں کے بارے میں ایسے مغلظات سننا زاویار کو گوارہ نہیں تھا۔ اس لیے اس نے کچھ ہی دیر بعد شاہینہ بیگم کو واپس گھر بھیج دیا تھا اور خود زیب النساء کے پاس رک گیا۔ ان کی اس ہذیانی کیفیت کے مدنظر ڈاکٹرز نے بے ہوشی کا انجکشن دے دیا تھا۔

"ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

"ڈاکٹر کا خیال ہے کہ اگر مزید دو دن تک ان کی یہی کنڈیشن رہی تو انہیں پاگل خانے بھیج دیا جائے گا۔" زاویار نے آہستگی سے کہا۔

"اوہ نو۔" شہریار کو دھچکا لگا۔

"ہم کیا کہہ سکتے ہیں، انہوں نے اپنی جو حالت بنا رکھی ہے اس کے بعد یہ تو ہونا ہی تھا۔ محض ایک احساس کمتری کو خود پہ حاوی کر کے انہوں نے گھر کا گھر تباہ کر دیا اور اپنی زندگی بھی اجیرن کر لی۔" زاویار تلخی سے بول رہا تھا۔

☆☆☆

"کیا دیکھ رہی ہو؟" اہل کافی دیر سے آئینے کے سامنے کھڑی تھی اور اپنے آپ کو ہر زاویے سے دیکھ رہی تھی لیکن کہیں بھی مطمئن نہیں ہو رہی تھی جب ہی زاویار کو پوچھنا پڑ گیا تھا۔

"میں خوبصورت نہیں ہوں نا؟" اس نے کافی سپاٹ سے لہجے میں کہا تھا۔ زاویار اپنے کپڑے ہینگر سے اتارتے یکدم چونک گیا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا؟" زاویار کو شاک لگا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اہل خوبصورتی اور بدصورتی کے بھنور میں الجھے کیونکہ زیب النساء نے اس بھنور میں الجھ کر اپنے لیے پاگل خانے کا راستہ ہموار کر لیا تھا۔

"آئینہ کہہ رہا ہے" اہل ابھی تک اپنے آپ پہ نظریں جمائے کھڑی تھی زاویار کپڑے اور ہینگر بیڈ پہ ڈال کے اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"آئینے جھوٹ بولتے ہیں۔تم مجھ سے پوچھو۔"

وہ کافی مضبوط لہجے میں بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

اہل نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور یکدم پھٹ پڑی تھی۔

"جھوٹ بولتے ہو تم بھی۔تم جھوٹ بولتے ہو۔ مجھے جھوٹی تسلیاں دیتے ہو، میں خوبصورت نہیں ہوں۔" اس نے چیختے ہوئے زاویار کا گریبان پکڑ لیا تھا۔زاویار ششدر سا رہ گیا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟" زاویار نے اپنے اعصاب کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا تھا۔

"خوبصورتی کیسی ہوتی ہیں؟"

"تمہاری بہن جیسی۔تمہاری بھابھی جیسی۔تمہاری ماں جیسی۔کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں ان جیسی خوبصورت ہوں؟ یہ بدصورت شکل ان کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے، میں ان کو دیکھتی ہوں تو اپنے آپ کو دیکھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔چڑ ہوتی ہے مجھے اپنے آپ سے۔میں ہزار بار رگڑ رگڑ کر منہ دھوتی ہوں مگر پھر بھی ان جیسی نہیں ہو پاتی۔ مجھے خود اپنے آپ سے چڑ اور کوفت ہوتی ہے تو تم مجھے کیسے برداشت کر لیتے ہو؟ دل تو نہیں چاہتا ہوگا نا؟ تمہارے ساتھ تمہارے جیسی خوبصورت لڑکی ہوتی تو جوڑی بجتی۔میں تو تمہارے ساتھ۔"

"شٹ اپ، اپنی زبان بند رکھو۔" وہ یکدم غصے میں آ گیا تھا اہل دو قدم پیچھے ہٹ گئی بلکہ دہل گئی تھی وہ آج تک اس کے ساتھ اس لہجے اور اس انداز میں نہیں بولا تھا۔

"آٹھ، دس ماہ ہو گئے ہیں تمہیں آج مجھے جھوٹا کہنے کھڑی ہو گئی؟ کیا جھوٹ بولا ہے میں نے؟ یہ کہ تم خوب صورت ہو؟ زاویار نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔دیکھو اپنے آپ کو اور بتاؤ مجھے کہ تم کہاں سے بدصورت ہو؟ رنگت سفید ہونا خوبصورتی نہیں ہے، اگر صرف رنگت ہی گوری چٹی کرنی ہے تو وہ تو تم بھی کر سکتی ہو، کسی بھی بیوٹی پارلر چلی جاؤ۔"

"تمہارے اندر یہ جو خوب صورتی اور بدصورتی کا خناس بھرا ہوا ہے نا؟ اسے ختم کر دو، ورنہ یہ سب ختم کر دے گا، سارے کیے کرائے پہ پانی پھیر دے گا۔" زاویار نے اسے کندھوں سے تھام کے جھنجوڑ کے رکھ دیا تھا وہ یکدم دہشت زدہ سی نظر آنے لگی تھی اور بات کرتے ہوئے زاویار اسے دیکھ کر رک گیا تھا پھر فوراً ہی اسکے کندھوں سے ہاتھ ہٹا کر بیڈ پہ جا بیٹھا تھا اور کتنی دیر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے بیٹھا رہا اور بھی نجانے کتنی دیر بیٹھا رہتا کہ اسے دبی دبی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔وہ ابھی تک ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی رو رہی تھی۔

"اہل، ادھر آؤ۔" اس نے اب کی بار اونچی آواز میں کہا اور اہل کو مجبوراً آنا پڑا۔

"بیٹھو۔" اپنے قریب بیٹھنے کا کہا اور ساتھ ہی اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے قریب بٹھا بھی لیا تھا۔اس کی دبی دبی سسکیاں ہنوز جاری تھیں، چہرا جھکا ہوا تھا۔

"دیکھو اہل! مجھے غصہ تم پر نہیں آیا، بلکہ غصہ اس بات پہ آیا کہ تقریباً ایک سال ہونے کو آیا ہے اور اس ایک سال میں کیا میں تمہیں یہ یقین بھی نہیں دے پایا کہ تم جو بھی ہو، جیسی بھی ہو، میرے لیے کتنی اہم اور خاص ہو۔ میں اگر خوب صورتی دیکھنے والا ہوتا تو امریکا میں ہی کسی سے شادی کر چکا ہوتا، وہاں خوبصورت چہروں کی کمی نہیں تھی اور نہ ہی میرا دل ایسا تھا کہ کسی کی ظاہری خوبصورتی سے تسخیر ہو جاتا۔ میں نے تم سے شادی کی ہے تو اپنی مرضی سے کی ہے۔ ایک سال ہونے والا ہے تمہارے ساتھ رہتے ہوئے، کیا تمہیں کبھی ایسا لگا کہ تمہیں دیکھ کر مجھے چڑ ہوتی ہے؟ یا میں بےزار ہوتا ہوں؟" وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے پوچھ رہا تھا۔

"اور رہی بات عینی اور عنبرین کی طرح نظر آنے کی تو تمہارا یہ شوق میں صبح ہی پورا کردوں گا، تمہیں خود بیوٹی پارلر لے کر جاؤں گا، لیکن اتنا سوچ لو، پھر تمہیں ان جیسا ہی بن کے رہنا پڑے گا، اسٹائلش اور ماڈرن۔" اس نے ساتھ ساتھ دھمکی دی اور اہل روتے روتے ہنس پڑی تھی۔ زاویار آنسوؤں اور ہنسی کا یہ حسین امتزاج دیکھتا رہ گیا۔

"اہل پلیز! اپنے دل سے یہ عجیب عجیب وہم اور وسوسے نکال دو، دنیا بہت خوب صورت ہے اور دنیا کی اس خوبصورتی میں تم بھی شامل ہو، پلیز انجوائے کرو خوش رہو۔ کھل کے جیو۔" وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔

"میں تمہیں واقعی اچھی لگتی ہوں؟" وہ تسلی چاہتی تھی۔

"ہاں۔"

"مجھے طلاق دے کر چلے تو نہیں جاؤ گے؟" اس کے اندر کا چور سامنے آیا تو زاویار ٹھٹک گیا۔ اس کی چپ اہل کو حواس کر گئی۔

"نہیں میری جان! کبھی نہیں، ایسا سوچنا بھی مت۔" اس نے فوراً سختی سے تردید کی تھی اور اہل کی خوشی کی انتہا تھی کہ وہ یکدم بے اختیار زاویار کے سینے سے لپٹ گئی تھی اور اس کی خوشی کے اس اظہار پہ زاویار بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

"صبح پارلر چلنے کی تیاری کرلو۔" وہ اس کے گرد بازو لپیٹے ہوئے بولا۔

☆☆☆

وہ آج وقت سے پہلے ہی آفس سے اٹھ آیا تھا۔ شہریار نے جلدی نکلنے کی وجہ بھی پوچھی مگر وہ ٹال گیا تھا۔

وہ بیڈروم میں آ گیا، اہل نہا کر کنگھی کر رہی تھی۔

"چلو میرے ساتھ۔" اس نے اشارہ کیا۔

"کہاں؟"

"بیوٹی پارلر۔"

"بس چلو لیکن ویکن کچھ نہیں، اب میں تمہیں ویسا بنا کے چھوڑوں گا جس کے تم خواب دیکھتی ہو اور حسرت سے آہیں بھرتی ہو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا اور سیدھا لا کر گاڑی میں بٹھا دیا۔

وہ باہر نکلی تو زاویار اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ لوگ جیسا فلیٹ سے لے کر آئے تھے جس کو دیکھ کے یہ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ بہتری کی طرف بھی آسکتی ہے۔

''چلو نا کھڑے کیوں ہو؟'' اہل نے اسے ایک ہی جگہ کھڑے دیکھ کر کہا۔

''کیا میں واقعی خوب صورت لگ رہی ہوں؟'' اس نے گاڑی روڈ پہ ڈالی ہی تھی کہ اہل نے اس کی طرف رخ پھیرتے ہوئے سوال کیا۔ وہی یقین اور بے یقینی کے درمیان ڈولتا ہوا سوال......!

''کیا میرے کہے پہ یقین آئے گا تمہیں؟'' زاویار کا لہجہ بھی بے یقین تھا کیونکہ وہ یقین جو نہیں کرتی تھی۔

''تم کہو تو سہی۔''

وہ اپنی خوب صورتی کا یقین لینے کے لیے بے تاب تھی۔

''گھر چل کے بتاتا ہوں۔'' وہ ذومعنی نظروں سے دیکھتے ہوئے شرارت سے بولا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ موڑ کاٹتے ہوئے اسپیڈ بڑھاتا اسے بریک لگانے پڑ گئے تھے، سامنے روڈ پہ خاصا رش تھا، ایمبولینس کا سائرن بج رہا تھا، کافی زیادہ لوگ جمع تھے راستہ بند تھا۔

''کیا ہوا؟'' اہل پریشان ہوئی۔

''شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' زاویار کو اندازہ ہو چکا تھا۔

''پھر کیا کریں گے؟''

''دوسرے راستے سے چکر کاٹ کے جانا پڑے گا۔'' زاویار نے سنجیدگی سے کہا اور پھر گاڑی کو تھوڑا بیک کر کے یوٹرن لیا اور اسپیڈ بڑھا دی۔

لیکن جن راستوں پہ وہ اب جا رہا تھا وہ راستے اہل مراد کے لیے اجنبی نہیں تھے، ان ہی راستوں پہ آتے جاتے اس نے مڈل پاس کیا تھا اور پھر ہمیشہ کے لیے گھر بیٹھ گئی اور ان ہی راستوں میں سے ایک راستہ اس فلیٹ کا بھی تھا جہاں اسے بھوک، پیاس اور تشدد سہہ کر رہنا پڑتا تھا، جہاں اسے اتنی شدید مار پڑتی تھی کہ وہ صبح و شام کا فرق بھول جاتی تھی، کہنے کو تو زیب النساء اس کی ماں تھی لیکن اپنا غصہ اور اندر کا غبار وہ کسی ظالم جلاد کی طرح نکالتی تھی اور یہ بھول جاتی تھی کہ وہ صرف مراد حسن کی ہی نہیں اسکی اپنی بھی بیٹی ہے اور اس بیٹی کو اس نے اس حال کو پہنچا دیا تھا کہ وہ سڑکوں اور راستوں سے بھی خوف زدہ ہو گئی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہی اس نے یکدم چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

''گاڑی روکو۔ مجھے نہیں جانا۔ مجھے ممی کے پاس نہیں جانا۔ گاڑی روکو۔ تم ذلیل کمینے مجھے بہانے سے لے کر آئے ہو تم نے جھوٹ بولا تھا میرے ساتھ۔ گاڑی روکو۔'' وہ چیختے چلاتے ہوئے زاویار پہ جھپٹ پڑی، یہی اس کا آخری حربہ ہوتا تھا، زاویار اچانک اس افتاد کے لیے تیار نہیں تھا گاڑی اس کے قابو سے باہر ہو گئی، اسٹیرنگ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا تھا۔ اس نے یکدم بازو سامنے کرتے ہوئے اس کے ناخنوں سے اپنے چہرے کو بچایا اور اسی بازو کے دھکے سے اہل کو واپس سیٹ پہ پھینکا۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟''

''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی، تم مجھے اس فلیٹ میں لے کر جا رہے ہو؟''

''میں مر جاؤں گی لیکن وہاں نہیں جاؤں گی۔'' بازو پہ دانت گاڑھ چکی تھی۔

''اہل! سنبھالو اپنے آپ کو، میں تمہیں کہیں نہیں لے کر جا رہا۔'' وہ تکلیف کے باوجود تحمل سے بولا تھا لیکن غصے سے مشتعل نہیں ہوا تھا اور اس ہاتھا پائی میں اہل خود ہی اسٹیرنگ سے ٹکرائی اور درد سے کراہتی ہوئی یکدم وہیں لڑھک گئی۔

''اہل...... اہل! آنکھیں کھولو۔'' زاویار نے بمشکل گاڑی سنبھالی اور ساتھ ساتھ اسے بھی۔'' اگلے چند منٹوں میں جس حال میں وہ گھر پہنچا سبھی پریشان ہو گئے تھے۔'' اہل تقریباً بے ہوش تھی اور زاویار اسے بازوؤں میں اٹھا کر اندر لایا تھا لیکن خود زاویار کی حالت بھی کافی مشکوک ہو رہی تھی ہاتھوں پہ زخموں کے نشان تھے۔ شرٹ کے بٹن ٹوٹے ہوئے تھے اور سانس ناہموار ہو رہی تھی۔

''زاویار! کیا ہوا ہے؟ تم کچھ بتاؤ تو سہی؟'' شاہینہ بیگم اس کے پیچھے کمرے تک آئیں لیکن زاویار، اہل کو بیڈ پہ ڈال کر خاموشی سے ڈاکٹر کو کال کرنے کے لیے باہر نکل گیا تھا۔ وہ اس وقت کسی کو بھی کچھ بتانے کے موڈ میں نہیں تھا، اس کی چپ گہری تھی۔

☆☆☆

آج جمعہ تھا اور اسی لیے وہ آفس سے ذرا جلدی اٹھ آیا تھا لیکن گھر پہنچا تو پتہ چلا کہ گھر پہ تو کوئی بھی نہیں ہے۔ عینی کالج گئی ہوئی تھی، اسفر یونیورسٹی، عنبرین بھابھی، شہریار اور شاہینہ بیگم۔ عنبرین بھابھی کے میکے گئے ہوئے تھے ان کے بھتیجے کے عقیقہ کا فنکشن تھا شاید۔ فنکشن دن کے وقت تھا اور اس لیے عینی اور اسفر وغیرہ نہیں جا سکے تھے اور رہی اہل تو وہ سکون سے لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

زاویار اک نظر اسے دیکھ کر وہیں سے پلٹ گیا لیکن اتنے میں وہ بھی اسے دیکھ چکی تھی۔ وہ اوپر کمرے میں آیا اور اپنے کپڑوں کی الماری کھول کے کھڑا ہو گیا تھا لیکن پوری الماری میں کوئی ایک بھی شلوار سوٹ نظر نہیں آیا تھا کہ جسے پہن کر وہ نماز جمعہ ہی پڑھ آتا۔ لہٰذا الماری کے نچلے خانے سے تہہ شدہ شلوار سوٹ نکالا اور اسے پریس کرنے کا سوچنے لگا۔

''لاؤ میں استری کر دوں۔'' وہ ڈریسنگ روم میں استری اسٹینڈ کے قریب کھڑا استری کا پلگ لگا ہی رہا تھا کہ اہل کا بیویوں جیسا جملہ سنائی دیا۔ زاویار نے البتہ کوئی نوٹس نہیں لیا اور پلگ لگا کر استری کی اسپیڈ چیک کی۔

''میں استری کر دیتی ہوں، تم فکر نہ کرو، جلاؤں گی نہیں۔'' اس نے زاویار کے کندھے پہ رکھے کپڑے اپنی طرف کھینچ لیے۔

''صرف کپڑے جلنے سے کچھ نہیں ہوتا۔'' وہ چبا کر کہتا ڈریسنگ روم سے نکل گیا تھا۔ پھر جتنی دیر بعد وہ شاور لے کر نکلا اتنے میں وہ بھی کپڑے لے کر آ گئی۔ کبھی کبھی وہ اپنی حرکتوں اور انداز و اطوار سے بالکل نارمل محسوس ہوتی تھی اور کبھی کبھی ساری کسر ایک دن میں پوری کر لیتی تھی۔

''دیکھو ٹھیک ہوئے ہیں؟''

''میں جمعہ پڑھنے جا رہا ہوں، ماڈلنگ کرنے نہیں۔'' اس نے طنزیہ کہہ کر کپڑے اس کے ہاتھ سے لے لیے تھے۔

"تم مجھ سے ناراض ہو نا؟" اہل ہچکچا کر ڈرتے ڈرتے بولی۔ زاویار تولیہ بالوں میں رگڑتے ہوئے ٹھٹک گیا تھا، وہ آج کتنا نارمل ری ایکٹ کر رہی تھی۔

"ناراض؟"

"ہاں اس روز میں نے گاڑی میں اتنا ہنگامہ جو کر دیا تھا۔" وہ اپنے کیے پہ پشیمان تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ آئندہ بھی کرتی رہنا۔ میری بلا سے۔" وہ کندھے اچکاتا سر جھٹک کر کپڑے پہننے چلا گیا۔

"مجھے معاف کر دو۔" وہ واپس آیا تو اہل نے لجاجت سے کہا۔

"معافی کیسی دو روز بعد تمہیں پھر کہیں لے کر جاؤں گا تم پھر وہی ہنگامہ کر دو گی، اس لیے معافی کا کیا فائدہ؟" وہ انتہائی روڈ ہو رہا تھا۔

"نن نہیں۔ اب نہیں کروں گی، اب کبھی ایسا نہیں کروں گی۔ وعدہ...... پکا وعدہ۔" اس نے فوراً زور زور سے کہا۔

☆☆☆

"چلو لکھو، تم کہاں ہو؟" اس نے اہل کو جملہ لکھنے کو دیا۔

"ڈی یو ایم تم...... کے، اے، ایچ، اے این، کہاں...... ایچ، او ہو...... تم کہاں ہو؟" اہل نے با آواز بلند میسج لکھا اور پھر موبائل اسکرین زاویار کے سامنے کی۔

"شاباش، بالکل ٹھیک لکھا ہے، اب اس میسج کو میرے نمبر پہ سینڈ کرو۔" زاویار اسے موبائل ہینڈل کرنا سکھا رہا تھا اور اہل اس کے سمجھانے کے طریقے کو بہت جلدی پک کر رہی تھی اور اس میں زاویار کی کامیابی تھی۔ اس نے آپشن کا بٹن دبا کر میسج سینڈ پہ لا کر زاویار کا نمبر سرچ کیا اور میسج سینڈ کر دیا۔ دوسری طرف فوراً میسج ٹیون بجی تھی۔

"چلو اب میں تمہیں ریپلائی کرتا ہوں۔" اس نے اپنا موبائل اٹھا کر تیزی سے بٹن پریس کیے اور ریپلائی کر دیا۔ اب اہل کے موبائل پہ ٹیون بجی تھی۔ وہ میسج اوپن کر کے پڑھنے لگی۔

"میں تمہارے دل میں ہوں۔" وہ میسج پڑھتے ہوئے مسکرائی۔

"تمہیں کیسے پتہ؟" اس نے مشکل سے ہی سہی مگر میسج ضرور لکھ لیا تھا وہ بھی بغیر کسی مدد کے۔

"مجھے اس لیے پتہ ہے کہ تمہارے دل کو لاک لگا ہوا تھا اور اس لاک کو کھول کر میں ہی اندر داخل ہوا ہوں، اس لیے اب وہاں میرا ہی قیام ہے۔" اہل، زاویار کا ریپلائی پڑھ کر حیران ہوئی۔

"سچ؟ میرے دل میں صرف تم ہی ہو؟" وہ موبائل بیڈ پہ رکھ کے یکدم حیرانی سے بولی۔

"ہاہاہا...... زاویار یکدم قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔

"دل تمہارا ہے اور پوچھ مجھ سے رہی ہو؟" اہل اس کے مذاق اڑانے پہ جھینپ گئی تھی، اب اس نے کسی مذاق پہ طیش میں آنا چھوڑ دیا تھا

کافی نارمل ہو چکی تھی وہ......

"میرے دل کو اور مجھ کو تم مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہو، اس لیے پوچھتی ہوں۔"

"تو پھر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرنے لگی ہو، مجھے چوری چوری دیکھتی ہو، میرا انتظار کرتی ہو، جو کہتا ہوں وہ مان لیتی ہو اور یہی تمہارے دل کی محبت کی نشانی ہے۔" زاویار نے قریب بیٹھی اہل کی گردن میں بازو ڈال کر اسے اپنے اوپر جھکا لیا تھا۔

"محبت؟ کتنا خوب صورت لفظ ہے۔ محبت؟" اہل دھیمے سے بولی۔

"ہاں تم جیسا خوب صورت۔" وہ دل سے بولا تھا۔

"محبت کی خوبصورتی جیسا خوبصورت کوئی نہیں ہو سکتا، نہ تم، نہ میں..... "وہ سمجھداری اور سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"ماشاءاللہ، بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو۔ یہ باتیں تمہاری اپنی ہیں یا کسی رسالے سے پڑھی ہیں؟"

وہ شرارت سے بولا کیونکہ اس نے کافی دن پہلے ڈھیر سارے معیاری ڈائجسٹ اور کتابیں لا کر اہل کو پڑھنے کے لیے دیے تھے اور وہ واقعی دلچسپی سے پڑھتی رہی تھی، اس نے اک اک چیز پڑھنے کے بعد زاویار کے ساتھ ڈسکس کی تھی اور زاویار کو اس کی یہ دلچسپی بہت اچھی لگی تھی۔

لیکن اس وقت زاویار کے سوال پہ وہ پہلے والے تیوروں سمیت اسے گھورنے لگی تھی۔

"اوکے بابا! اوکے مجھے سمجھ میں آ گیا ہے، یہ بات تم نے خود ہی کی ہے، کہیں پڑھی نہیں ہے۔" وہ فوراً ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا تو اہل بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

"ویسے ایک بات بتاؤ تم نے کسی ناول یا افسانے میں کبھی یہ نہیں پڑھا کہ ہیرو اور ہیروئن اک دوسرے کے قریب بھی آتے ہیں، رومانس بھی کرتے، اور......

"بس بھی کرو۔" اہل نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔ اس کا چہرا شرم سے سرخ ہونے لگا تھا، اور زاویار کا ایک اور قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"یار کس کافر کا دل چاہتا ہے بس کرنے کو؟"

"ٹھیک ہے پھر میں جا رہی ہوں۔" وہ اس کے حصار سے نکل کر بیڈ سے اتر گئی۔

"اب مجھے سونا ہی ہے اور کیا کرنا ہے بھلا؟" وہ بڑبڑاتا ہوا کروٹ بدل گیا۔

☆☆☆

مراد حسن کے پاکستان سیٹل ہونے کی خبر نے سب کو خوش کر دیا تھا اور سب سے زیادہ خوشی شاہینہ بیگم کو ہی ہو رہی تھی، آخر ان کا بھائی بیوی بچوں کے ساتھ پہلی بار پاکستان آ رہا تھا، وہ دو ہی بہن بھائی تھے اور ان دونوں نے بھی دور رہ کر زندگی گزار دی تھی، حالانکہ دونوں بہن بھائی کو اک دوسرے کی اشد ضرورت تھی۔ کیونکہ وہ دونوں اک دوسرے کے دل کا حال بخوبی جانتے تھے اور اک دوسرے کے سوا اور کوئی رشتہ بھی تو آس پاس نہیں تھا، بس اپنی اپنی اولادوں کے ساتھ جی رہے تھے۔

اور اسی لیے جب مراد حسن نے پاکستان سیٹلڈ ہونے کی بات بتائی تو شاہینہ بیگم خوش ہو گئی تھیں لیکن صرف ایک ال ہی تھی جو نہ خوش تھی اور نہ ہی ناخوش۔

"کیا تمہیں اپنے بابا کی آمد کا سن کر خوشی نہیں ہوئی؟" شاہینہ بیگم نے ال کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"خوشی تو تب ہوتی جب میں ان کے ساتھ رہتی۔ مجھے ان کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ یہاں رہیں یا وہاں......" ال نے تلخی سے کہا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو بیٹا؟" شاہینہ بیگم کو اس سے ایسے جواب کی امید نہیں تھی۔

"بیٹا! وہ اگر ملک سے باہر رہتے ہیں تو یہ ان کی مجبوری تھی۔"

"مجبوری؟ کیسی مجبوری پھوپھو؟ وہ مجھے میری ماں کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر چلے گئے؟ جس عورت کے ساتھ وہ خود نہیں رہ سکتے تھے، اس کے ساتھ مجھے رہنے کے لیے چھوڑ دیا؟ جو میرے باپ کی بے وفائی کا بدلہ مجھ سے لیتی رہیں اور سچ پوچھیں تو میرے لیے دونوں ہی ایک جیسے ثابت ہوئے ہیں۔ بے حس ظالم اور جلاد" ال ایک ایک لفظ چبا کر بول رہی تھی اور شاہینہ بیگم ہکا بکا اس کی صورت دیکھتی رہ گئیں وہ حیران تھیں کہ اس لب و لہجے میں ال مراد بات کر رہی ہے؟ جو بات کرنا تو دور کی بات سننے کا اسٹیمنا بھی نہیں رکھتی تھی، ال سر تا پا زاویار کی محنت کا منہ بولتا ثبوت تھی، اس کی شخصیت سازی کا کریڈٹ زاویار سکندر کو جاتا تھا اور اس لیے شاہینہ بیگم دل ہی دل میں بیٹے کو داد دیے بغیر نہیں رہ سکی تھیں، اس نے صبر و برداشت کا ریکارڈ قائم کر دکھایا تھا۔

"وہ تمہارے لیے بہت پریشان تھے بیٹا، انہوں نے بہت بھاگ دوڑ کی تھی تمہیں ساتھ لے جانے کے لیے مگر کورٹ کی طرف سے جو آرڈر مل چکا تھا۔"

"پلیز پھوپھو اب بتانے کا کیا فائدہ؟ وہ آ رہے ہیں تو اچھی بات ہے۔" اس نے کندھے اچکائے اور پھر وہاں سے اٹھ گئی لیکن شاہینہ بیگم بہت دیر تک اس کے بارے میں ہی سوچتی رہیں۔

☆☆☆

"آپ کون سے کپڑے پہنیں گے؟" ال وارڈ روب کے پٹ کھولے کھڑی تھی اور زاویار سے استفسار کر رہی تھی۔

"جو تم نکال دو۔" وہ کتاب سے سر اٹھا کر بولا۔ "نکال دوں؟"

"ہاں یار! نکال دو، جو بھی تمہیں پسند ہیں۔" وہ جان بوجھ کر یہ کام اس کے ذمہ لگا رہا تھا، وہ اپنے لیے اس کی پسند دیکھنا چاہتا تھا۔

"یہ ٹھیک ہیں نا؟" اس نے بلیک تھری پیس سوٹ نکال کر سامنے کیا تھا اور زاویار اس کی پسند کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

"پسند تو واقعی اچھی ہے، لیکن یار! کیا یہ فارمل ڈریس پہن کر میں اپنے ماموں کے گھر جاتے ہوئے اچھا لگوں گا؟" اس نے ذرا سا اعتراض کیا۔

"تو کیا ہوا؟ آپ کون سا ایسے ہی منہ اٹھا کر جا رہے ہیں؟ چاہے چھوٹا ہی سہی لیکن فنکشن تو ہے نا؟ شہریار بھائی اور اسفر بھی تو تیار ہو کر ہی

جائیں گے نا؟" اس نے دلیل دی۔

"ایک شرط پہ پہن سکتا ہوں۔" وہ کتاب بند کر کے بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کیسی شرط؟" اہل تھکی۔ اس نے گھور کے دیکھا تھا۔

"زیادہ بڑی شرط نہیں ہے۔" اس نے تسلی دی، اور اہل کی آنکھوں میں استفہام بولنے لگا۔

"تم بھی میری پسند کا ڈریس پہنو گی۔" وہ بھی وارڈ روب کے قریب آ کھڑا ہوا۔

"اس میں شرط کی کیا بات ہے؟" اہل اتنی لاپروائی سے بولی کہ زاویار حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ "اب اس میں حیرانی والی کیا بات ہے؟ تم جو بھی کہو گے میں پہن لوں گی۔"

اس کے انداز پہ زاویار غش کھاتے کھاتے بچا تھا۔

"یہ تم ہی ہو نا؟" اس نے اہل کے چہرے کو چھوا، وہ گھورتی ہوئی پیچھے کھسک گئی۔

"ہاں، یہ میں ہی ہوں اہل زاویار، آپ کی بیوی۔" اس نے استحقاق بھرے لہجے میں کہا۔

"میں صدقے جاؤں، آج میری بیوی کیسی کیسی رضامندیاں دے رہی ہے؟ میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟" اس نے اپنے بازو پہ چٹکی کاٹی۔

"جو گزرا وہ خواب تھا ایک بھیانک اور برا خواب۔ حقیقت تو اب شروع ہوئی ہے۔" وہ زاویار کا بازو سہلاتے ہوئے بولی، کیونکہ اس نے اپنے بازو پہ چٹکی خاصے زور سے کاٹی تھی۔

"لیکن میرے لیے تو یہ سب ایک خواب ہی ہے۔" زاویار کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"چلیں، آپ کے لیے خواب سہی اور میرے لیے حقیقت سہی۔ اب جلدی سے تیار ہو جائیں۔" اس نے ہینگر بیڈ پہ ڈال دیا۔ وہ اس کی طرف بڑھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا بچاؤ کرتی زاویار استحقاق بھری گستاخی میں کامیاب ہو چکا تھا۔

"زاویار!" وہ خفگی سے بولی۔ "آج تم نے زاویار سکندر کے سوئے ہوئے جذبات کو للکارا ہے۔ آج تمہاری خیر نہیں۔"

وہ اسے دھمکی دے کر کپڑے بدلنے چلا گیا اور اہل شرم سے سرخ پڑتی اس کی دوسری اشیاء نکال کر رکھنے لگی تھی اور جب وہ تیار ہونے کے لیے گئی تب زاویار نے ڈریس سلیکٹ کیا تھا، مراد حسن کو پاکستان آئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا لیکن اہل ایک بار بھی ان سے ملنے نہیں گئی تھی نہ ایئرپورٹ نہ ان کے گھر۔ البتہ وہ خود ایک بار ملنے آئے تھے اور وہ بہت سرسری سا ان سے ملی تھی، لیکن آج انہوں نے اپنی وطن واپسی کی خوشی میں اپنے قریبی لوگوں کو اور ملنے والوں کو دعوت دی تھی سب کو انوائٹ کیا تھا، سو شاہینہ بیگم کی فیملی بھی انوائیٹڈ تھی۔ اہل تو شاید جانے سے انکار کر دیتی لیکن زاویار نے اس پہ بھی اسے اچھا خاصا لیکچر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ واقعی سوچنے پہ مجبور ہو گئی تھی کہ اسے جانا چاہیے، ہر سچویشن کا سامنا کرنا چاہیے اور آج وہ بھی سامنا کرنے جا رہی تھی اور کافی اعتماد اور اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔

☆☆☆

"السلام وعلیکم۔" ان سب نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بلند آواز سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" مراد حسن یکدم صوفے سے کھڑے ہوئے تھے ان کے چہرے پہ خوشی کا رنگ اہل کو دیکھ کر ابھرا تھا۔

"کیسی ہو میری گڑیا؟" انہوں نے بے ساختہ اس کے قریب آتے ہوئے اسے کندھے سے لگایا تھا۔

"جی ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟" اس نے پہلی مرتبہ ان سے اس طرح اپنائیت سے پوچھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا! تم آ گئی ہو تو یوں لگ رہا ہے۔ میرے گھر میں دو جہانوں کی خوشیاں اور رحمتیں آ گئی ہیں۔" مراد حسن کی دلی خوشی ان کے نم آلود لہجے سے نمایاں ہو رہی تھی۔

"السلام وعلیکم آنٹی!" اس نے مراد حسن کے پہلو میں کھڑی عورت کو فوراً شناخت کر لیا تھا، وہ اس کے باپ کی دوسری بیوی اور اس کی سوتیلی ماں تھی۔

"وعلیکم السلام میری جان؟" نائمہ بیگم نے اسے بے اختیار لپٹا لیا تھا اور اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا تھا۔

"ماشاءاللہ، بہت خوبصورت جوڑی ہے تم دونوں کی۔ میں سوچتی تھی زاویار تو اتنا ہینڈسم ہے تو اہل پتہ نہیں کیسی ہو گی، لیکن تم تو میری توقع سے بڑھ کے پیاری ہو۔" انہوں نے قریب کھڑے زاویار کو دیکھتے ہوئے سراہا۔

"والد صاحب بھی تو اتنے ہینڈسم ہیں محترمہ کے۔" زاویار نے شرارت سے مراد حسن کو دیکھا جس پہ نائمہ بیگم اور مراد حسن بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

"آؤ بیٹھو نا تم لوگ۔" نائمہ بیگم ان سب کو بٹھانے لگیں، لیکن اہل صرف ایک ہی چیز پہ سوچے جا رہی تھی کہ نائمہ بیگم بھی اتنی خوبصورت نہیں تھیں، گندمی رنگت اور انتہائی عام سے نین نقوش تھے، ان کے لیکن انداز و اطوار میں ایک وقار، ایک تمکنت سی تھی۔ ان کی ڈریسنگ سے ہی ان کی نفیس طبیعت کا پتہ چل رہا تھا، وہ کہیں سے بھی کسی قسم کے احساس کمتری میں مبتلا نہیں تھیں۔ وہ سب کچھ ان کے اندر موجود تھا، جس کی زیب النساء کے پاس کمی تھی اور اس کمی کو کبھی بھی زیب النساء نے دور کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ اور بھی بڑھا لیا تھا۔

"کیا دیکھ رہی ہو بیٹا؟" نائمہ بیگم نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کا رخسار تھپکا۔ "کچھ نہیں۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"اپنے چھوٹے بھائیوں سے نہیں ملو گی؟"

"بھائی؟" اہل کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ بہن اور بھائی کے رشتے سے محروم تھی اس لیے یہ رشتہ چونکا گیا۔

"حنان اور سفیان اندر آؤ۔" نائمہ بیگم نے آواز دی، وہ کوریڈور سے گزر رہے تھے۔

"یس مما؟" وہ دونوں فوراً مودب سے انداز میں اندر داخل ہوئے دونوں کی عمر چودہ اور پندرہ سال تھی۔

"اپنی آپی سے ملو۔"

"السلام علیکم اہل آپی!" وہ کافی شوق اور اشتیاق سے قریب چلے آئے تھے اور دونوں نے ہی سلام کے لیے اپنا ہاتھ بیک وقت آگے بڑھایا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' امل نے بے ساختہ اٹھ کر دونوں کی پیشانی چوم لی۔

''تم دونوں بہت کیوٹ ہو۔''

''آخر بھائی کس کے ہیں؟'' حنان نے تیزی سے لقمہ دیا۔ امل ہنس پڑی تھی۔

ان کی نوک جھونک سے سبھی محظوظ ہونے لگے تھے۔

''چلیے ناں امل آپی! اندر چلیں۔'' وہ اصرار کر رہے تھے امل انکار نہ کر سکی اور اٹھ کر چلی گئی۔

اور امل کو دور تک دیکھنے کے بعد مراد حسن نے زاویار کو دیکھا تھا ان کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔

''کیا بات ہے ماموں؟ یہ آنسو کس لیے؟'' زاویار ان کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اس نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔

''یہ آنسو تمہارے احسان مند ہیں بیٹا؟'' تمہارے شکر گزار ہیں۔ تم نے مجھے ہمیشہ کے لیے پوری زندگی کے لیے خرید لیا ہے۔ میں نے تو بس ڈاکٹر کے مشورے پہ مجبوراً یہ ذمہ داری تمہیں سونپی تھی لیکن میں تمہاری طرف سے ہمیشہ فکر مند ہی رہا۔ میرے دل میں عجیب سا ڈر اور وہم آتے رہتے تھے مجھے لگتا تھا کہ تم بھی ایک دن مراد حسن بن جاؤ گے تم بھی صبر و برداشت کا دامن چھوڑ بیٹھو گے لیکن تمہاری نرمی اور مستقل مزاجی نے مراد حسن کو شرمندہ کر دیا ہے۔

میں زیب النساء کے رویے پہ غصے میں آ جاتا تھا، سمجھانے کی کوشش کرتا تھا وہ نہیں سمجھتی تھی تو اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیتا تھا اور یہی کوتاہی بڑی دراڑ بن گئی جبکہ تم نے اپنی نرمی، اپنا تحمل، اپنی برداشت آزما کر سب کچھ جیت لیا ہے۔''

مراد حسن بولتے جا رہے تھے اور ان کے آنسو بھی مسلسل بہہ رہے تھے۔

''ماموں پلیز! جو ہو گیا سو ہو گیا۔ آپ سب باتوں کو بھول کر صرف آج کو یاد رکھیں۔ آج پہ دھیان دیں، میں نے اگر امل کے لیے کچھ کیا ہے تو یہ آپ پہ احسان نہیں بلکہ خود پہ احسان کیا ہے۔ سب کچھ اپنی خاطر کیا ہے، کیونکہ وہ میری بیوی ہے مجھے اس کے ساتھ پوری زندگی گزارنی ہے۔ اس کی بہتری میرے گھر، میرے بچوں میرے لیے ہے۔''

اندر داخل ہوتی امل نے زاویار کا جملہ سن لیا۔

''میاں بیوی کا رشتہ صرف دو لوگوں کی زندگیوں پہ محیط نہیں ہوتا بلکہ آنے والی کئی نسلیں زیر اثر آتی ہیں، جیسے آپ کی زندگی کا اثر امل پہ ہوا۔ اور ضروری نہیں کہ ہر امل مراد کو زاویار جیسا مہربان ہم سفر ملے۔''

''یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو، زاویار جیسا مہربان ہر کسی کو نہیں ملتا۔'' نائمہ بیگم نے تائید کی تھی۔

''اور جس کو ملتا ہے وہ اسے سنبھال کے رکھتا ہے۔'' امل نے اعتماد سے کہا۔

زاویار اس کی بات پہ مسکرا دیا تھا اور ان کی اپنی باتوں کے دوران باقی مہمان بھی آنا شروع ہو گئے۔ امل، نائمہ بیگم کے ساتھ سب کو ویلکم کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

''ممی کا علاج کہاں تک پہنچا؟'' ال، زاویار کے سینے پر سر رکھے سکون سے لیٹی اس کے موبائل سے ان باکس کو چیک کر رہی تھی، کچھ خیال آنے پر بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

''ممی؟ کون سی ممی؟'' زاویار نے حیرت سے کہا اور ال نے اس کے سینے سے سر اٹھا کے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''میری ممی!''

''تمہاری ممی کا علاج کیا مطلب؟'' وہ حیران ہو رہا تھا۔

''کیا تم مجھے اب بھی پاگل ہی سمجھتے ہو؟'' ال اس کے اوپر جھکی اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی، زاویار کو نظر چرانی پڑ گئی۔

''پاگل تو تم ہو رہی ہو۔'' وہ چھیڑتے ہوئے بولا

''ہونہہ! تم یہ بھول رہے ہو کہ میرا پاگل پن دور کرنے والے بھی تم ہی ہو۔''

''افسوس کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ تاسف سے بولا۔

''افسوس کہ تم ایسا نہ کرتے تو میں تمہیں پاگل کر دیتی۔'' وہ ہنسی تھی۔

''وہ تو تم اب بھی کر رہی ہو۔'' زاویار نے اس کے انداز قربت کی سمت اشارہ کیا تھا۔

''وہ تو میں آئندہ بھی کرتی رہوں گی۔'' وہ ذرا بھی نروس نہیں ہوئی تھی۔

''لگتا ہے کچھ بے شرم سی ہو گئی ہو؟'' وہ شرارت سے بولا اور ال نے اس کے بال دونوں مٹھیوں میں دبوچ لیے تھے۔

''اگر شرم کروں گی تو تم کہو گے شرماتی رہتی ہو اور اگر نہیں کرتی تو تب بھی تم طعنے دے رہے ہو؟''

''طعنے نہیں دے رہا، تمہیں تمہاری کوالٹی بتا رہا ہوں۔'' زاویار اپنے بال چھڑا رہا تھا۔

''میں اپنی ہر کوالٹی جانتی ہوں۔ یہ تو نظر آ رہا ہے۔'' وہ پھر چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

''زاویار! بچ جاؤ۔''

''یار! بچ کے کیا کروں گا؟''

''اچھا چھوڑو یہ بتاؤ، ممی کا علاج کیسا جا رہا ہے؟ وہ ٹھیک ہو سکتی ہیں؟'' ال نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا، وہ جانتی تھی کہ زاویار کسی کو بھی بتائے بغیر زیب النساء کا علاج کروا رہا ہے، گھر میں بھی کسی کو خبر نہیں تھی اور ال بھی شاید اس چیز سے بے خبر رہتی لیکن اس نے زاویار کو فون پہ ڈاکٹر کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے سب سن لیا تھا اور دل ہی دل میں زاویار کی مشکور تھی۔

''کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ہاں کیوں نہیں۔''

''کب؟''

”جب تم کہو۔“

”کل۔“

”اوکے یار کل ہی سہی۔“ اس نے کندھے جھٹکے۔

”زاویار تم......تم بہت اچھے ہو، بہت زیادہ......اچھے ہو تم جیسا مہربان واقعی کسی خوش قسمت لڑکی کو ہی مل سکتا ہے اور میں اپنی خوش قسمتی پہ ناز کرتی ہوں کہ مجھے تم جیسا مہربان ملا، تم جیسا ہم سفر محسن ملا۔ تم نے امل مراد کو اس کی ذات کے ہونے کا یقین بخشا ہے۔ تم ساری دنیا سے اور سارے مردوں سے اچھے ہو۔“ وہ اس کے سینے سے لگی بولتی جا رہی تھی اور زاویار پلکیں موندے اپنی محنت، اپنے صبر اور برداشت کا ثمر وصول کر رہا تھا اس کے دل پہ سکون کی ٹھنڈی میٹھی پھوار برس رہی تھی اور امل اپنی محبتوں کا اعتراف کر رہی تھی۔ آج وہ اسے اپنی تمام رضامندیاں سونپ چکی تھی، آج ان کی زندگی کی پہلی بھرپور رات تھی اور اس خوشگوار مہکتی رات کی صبح بھی یقیناً روشن ہی ہوتی کیونکہ انہوں نے اس کے لیے صبر و برداشت بھی تو بہت کیا تھا، اب انعام ملنا تو حق تھا ان کا......!!!

